بیاد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

مسلسل اشاعت کے چھیالیس سال

ماہنامہ الحق

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

542-43
محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
اکتوبر، نومبر 2010

مدیر مسئول مولانا سمیع الحق

معاونین جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے ایک ضروری

اپیل

محترم! دارالعلوم حقانیہ کی علمی، ملی ودینی ہمہ گیر خدمات سے بحمدللہ آپ بخوبی واقف ہیں اور موجودہ پُرفتن دور میں ایسے مرکز علوم رسالت کی اہمیت وضرورت بھی آپ پر مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دعوت وتبلیغ، تعلیم وتدریس، اصلاح وارشاد اور جہاد کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کی ذمہ داری ملک و بیرون ملک فضلائے حقانیہ نے نہ سنبھالی ہو۔ صرف ایک جہاد افغانستان کو لیجئے تو دارالعلوم کے ہزاروں فضلاء اور طلباً نے اس صدی کے عظیم جہاد میں قائدانہ کردار ادا کیا جو تمام معاونین کے لئے تا قیامت صدقہ جاریہ بن رہا ہے۔

جامعہ حقانیہ اپنے تمام ترقی پذیر شعبوں میں خطیر مصارف (جو کہ تعمیراتی اخراجات کے علاوہ سالانہ واجبی مصارف دو کروڑ سے متجاوز ہیں) کا محتاج ہے جبکہ دارالعلوم حکومتوں کے تعاون سے بھی بالکل بے نیاز ہے اور نہ ہی اس کے باضابطہ مستقل سفراء ہیں، صرف اور صرف آپ جیسے حساس دردمند اہل خیر معاونین کے مالی تعاون سے یہ سارا کارخانہ علوم نبوت چل رہا ہے۔ جس میں ڈھائی ہزار تک طلباً علوم نبویہ سے ہر سال مستفید ہوتے ہیں۔ ایسے نازک وقت میں آپکی توجہات کی مزید شدت سے ہمیں ضرورت ہے کہ خود اور اپنے زیر اثر حلقہ احباب و اہل خیر میں بھی دارالعلوم کے مالی تعاون کے لئے سعی فرمائیں اور اللہ کے دین کے فروغ اور حق کی بالادستی کے لئے کوشاں اس ادارہ کی پہلے سے بڑھ چڑھ کر ہر ممکن تعاون اور سرپرستی سے ممنون فرمائیں۔ **واجرکم علی اللہ۔**

ترسیل زر کا پتہ

(مولانا) سمیع الحق

مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

اکاؤنٹ نمبرز: یو بی ایل اکوڑہ خٹک 100-0001-7

نیشنل بینک اکوڑہ خٹک 17 - 5 ☆ مسلم کمرشل بینک جہانگیرہ 1120 - 6

Email: editor_alhaq@yahoo.com

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

جلد نمبر ۔۔۔ 46
شمارہ نمبر ۔۔۔ 1-2
محرم الحرام ۔۔ ۱۴۳۱ھ
اکتوبر، نومبر ۲۰۱۰ء

ماہنامہ
الحق
اکوڑہ خٹک

مدیر	نگران	مدیر اعلیٰ
حافظ راشد الحق سمیع حقانی	حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ	حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

ناظم شفیق الدین فاروقی

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز

تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے قانون میں ممکنہ حکومتی ترامیم۔
○ وکی لیکس ویب سائٹ کے تہلکہ خیز انکشافات۔
○ نانی جان کا سانحہ ارتحال ______ مولانا راشد الحق سمیع ۲
○ علت القتال کیا ہے؟ کفر؟ شوکت کفر؟ یا محاربہ ______ حضرت مولانا یحییٰ نعمانی ۵
○ عشق الٰہی اور اس کے تقاضے ______ حضرت مولانا حافظ انوار الحق ۲۲
○ قرآن اور محمدؐ کے بارے میں مستشرقین کی ہرزہ سرائیاں ______ ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی ۲۹
○ فتنہ نیو ورلڈ آرڈر اور سیرت النبیؐ ______ مولانا حذیفہ وستانوی ۴۵
○ اعتدال پسندی اور روشن خیالی کا ایجنڈا ______ مولانا محمد عیسیٰ منصوری ۵۲
○ امریکہ اور اوبامہ کو درپیش چیلنج ______ جنرل مرزا اسلم بیگ ۵۸
○ اورنگزیب عالمگیر اور غیر مسلم مؤرخین کا معتصابہ سلوک ______ مولانا مفتی عبدالمتین ۶۲
○ ''چند گھنٹے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں'' ______ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری ۶۹
○ فضلائے حقانیہ کی تالیفی اور تصنیفی خدمات ______ مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی ۷۲
○ امن و صلح و آشتی [مولانا نور محمد وزیرستانی] (نظم) ______ مولانا محمد ابراہیم فانی ۷۵
○ دارالعلوم کے شب و روز (وفیات اور دیگر امور) ______ جناب شفیق الدین فاروقی ۷۶
○ تعارف و تبصرہ کتب ______ مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی ۷۹

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار حضرات کے خیالات و آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان۔ فون نمبر (0923)630340-630435
ای میل: Email: editor_alhaq@yahoo.com Fax(0923)630922
سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ -/25 روپے سالانہ -/250، بیرون ملک 25$ امریکی ڈالر
پبلشر: مولانا سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، منظور عام پریس پشاور
کمپوزنگ: بابر حنیف

نقش آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم مولانا راشد الحق سمیع

تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے قانون میں ممکنہ حکومتی ترامیم کس کے اشارے پر؟

امریکہ اور مغرب کی مسلمانوں کے خلاف اعلان کردہ صلیبی جنگ کئی مرحلوں پر شکست وریخت سے گزر رہی ہے۔ الحمدللہ انہیں مسلمانوں کے خلاف ہر محاذ پر ناکامی اور مایوسی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ چاہے افغانستان کے عسکری گرم محاذ ہوں یا پاکستان کے خلاف اقتصادی وسیاسی خطرناک سازشیں ہوں یا مغرب اور امریکہ میں مسلمانوں کو ڈرانے، دھمکانے اور بدنام کرانے کے اوچھے ہتھکنڈے ہوں یا پھر یورپ بھر میں محسن انسانیت حضور اقدس ﷺ کے خلاف مکروہ خاکوں اور کارٹونوں کی اشاعت کا لامتناہی سلسلہ ہو۔ الغرض عالم عیسائیت ویہودیت نے مل کر اسلام اور اس کے روحانی، انقلابی اور عظیم اصلاحی رہبر ورہنما ﷺ کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگا کر دیکھ لیا لیکن ان تمام منفی کوششوں اور مکروہ پروپیگنڈوں سے نہ اسلام کی آفاقی وابدی اور عالمگیر فکر وسوچ کو یہ دبا سکے اور نہ ہی مسلمانوں کے دلوں سے اسم محمد ﷺ کے درخشاں اُجالے کی کرنوں کو دور کر سکے۔

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہی تو ہو ہم جس میں جی رہے ہیں وہ دنیا تمہی تو ہو

اب امریکہ اور مغرب پاکستان میں اپنے مسلط کردہ حکمرانوں کے ذریعے تحفظ ناموس رسالت ایکٹ میں اپنی من پسند ترامیم کرانا چاہتے ہیں کیونکہ پاکستان اسلام کا قلب اور قلعہ ہے چنانچہ اس قانون میں نام نہاد مسلم حکمرانوں کے ذریعے نقب لگائی جانے کی تیاریاں پھر سے ہو رہی ہیں تاکہ پھر ہر کس وناکس توہین رسالت ﷺ کا ارتکاب کھلا کرتا پھرے اور اسے کوئی پوچھنے والا نہ ہو اور نہ ہی ایسے غلیظ ترین مجرم کیلئے سزائے موت کا قانون پاکستان میں نافذ رہے، یہ بڑی پرانی حسرت اور ناکام تمنا ہے مغرب کے فاسد دل میں۔ ہر چند کئی مغرب پرست حکومتوں نے اپنے مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کیلئے حقیقی آقا ﷺ کے ناموس رسالت ایکٹ میں تبدیلی کی وقتاً فوقتاً سازشیں جاری رکھیں لیکن الحمدللہ پاکستان کے باحمیت سترہ کروڑ عوام ہمیشہ شان مصطفی ﷺ کے تحفظ وناموس کیلئے اپنی گردنیں کٹوانے کیلئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ اسی لئے سابقہ حکومتوں کے ہاتھ بجز رسوائی اور ناکامی کے کچھ نہیں آیا۔ پیپلز پارٹی کی موجودہ حکومت بھی ان شاء اللہ پارلیمنٹ میں اس اہم ترین ایشو پر شکست فاش کھائے گی۔ حکومت کی تمام حلیف جماعتوں کو نوشتہ دیوار پڑھ لینا چاہیے۔ اگر انہوں نے تحفظ ناموس رسالت ایکٹ میں حکومت کا ساتھ دیا تو ان کا انجام بھی پیپلز پارٹی جو ان دنوں بدنامی اور ناکامی کی اتھاہ گہرائیوں میں غرق نظر آ رہی ہے ان سے بدتر ہوگا۔

وکی لیکس ویب سائٹ کے تہلکہ خیز انکشافات

امریکی سازش یا آزاد صحافت کارنامہ

معروف وکی لیکس ویب سائٹ نے ان دنوں دنیا بھر میں تہلکہ مچایا ہوا ہے۔الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا وکی لیکس کے انکشافات سے لبریز ہیں۔ اس سے کئی حکومتوں کے ایوان لرز رہے ہیں، اور پاکستان سمیت دنیا بھر کے سیاستدانوں کے پاؤں نت نئے انکشافات اور اپنے سیاہ کارناموں کے باعث تھرتھرا رہے ہیں۔الغرض کرہ ارض کے اربوں انسانوں پر وکی لیکس کے انکشافات کے باعث بڑے گہرے اثرات مرتب ہور ہے ہیں۔ان دنوں ہر طرف یہی موضوع سخن بنا ہوا ہے، کوئی اس ویب سائٹ کے حق میں دلائل دے رہا ہے تو کوئی اس کی مخالفت کر رہا ہے، کئی طبقے اسے آزادی صحافت کا بڑا کارنامہ سمجھ رہے ہیں تو دوسرے طبقے اسے 9/11 سے بڑا حادثہ سمجھ رہے ہیں۔ بہرحال جو بھی ہوا اس سے امریکی سپر پاور کا مکروہ چہرہ مزید مسخ ہوگیا ہے اور اس کی نام نہاد آزادی اظہار رائے کا بھانڈہ بھی بیچ چوراہے میں پھوٹ گیا ہے اور دنیا بھر میں اس کے سفارتکاروں کی حقیقی قلعی کھل گئی ہے کہ یہ دراصل سفارتکار نہیں بلکہ پیشہ ور جاسوس ہیں، اسی طرح دنیا بھر میں امریکہ ان دنوں جگ ہنسائی کا مرکز بنا ہوا ہے کہ اسکے اپنے حلیفوں اور دوستوں کے بارے میں کتنے خطرناک عزائم اور کس قدر خراب ذہنیت ہے۔اسی طرح پاکستانی سیاستدانوں، حکمرانوں اور فوجی جرنیلوں کے بارے میں بھی وکی لیکس کے انکشافات نے پاکستانی عوام جو پہلے ہی ان رہنماؤں سے دور اور بداعتماد تھے مزید بدگمان کر دیا ہے۔کئی رہنماؤں نے تو امریکی سفیر کو اپنا ''قبلہ'' سمجھ کر آئے روز رکوع اور سجدۂ تعظیمی بھی کئے العیاذ باللہ اور امریکہ کو یہ اپنے اقتدار کے حصول اور بقاء کے لئے ''معبودِ حقیقی'' سمجھنے لگے کیونکہ سیاست اور اقتدار ہی ان کا ایمان مذہب اور مقصد حیات ہے۔ ع یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کہ شرمائیں یہود

کو تو سمجھ ہی نہیں آرہی کہ وہ عوام کے سامنے کیسے پیش ہوں؟ بہرحال صحافت کی دنیا میں یہ واقعہ تاریخی نوعیت کا ہے۔ اس کے جہاں مثبت پہلو ہیں وہیں اس کے بڑے منفی پہلو بھی سامنے آرہے ہیں اور ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ خود امریکہ کی ہی ایک چال معلوم ہوتی ہے تاکہ ان انکشافات کے ذریعے دنیا بھر کے ممالک میں باہمی بگاڑ اور فساد پھیلایا جائے اور خصوصاً عالم اسلام میں تو اس کے سفارتی سطح پر بڑے منفی اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔اسی طرح کئی مسلم ممالک جو ایک دوسرے کے قریب تھے ان انکشافات کے باعث ان میں دوری اور تناؤ پیدا ہوسکتا ہے۔اسی طرح یہ امر بھی کافی دلچسپ ہے کہ ایک گمنام سے صحافی کی رسائی کیسے ممکن ہوئی ان خفیہ اور ضخیم ذخائر تک؟ حالانکہ یہ دستاویزات پینٹاگون اور امریکی وزارت خارجہ کے انتہائی محفوظ ترین حفاظتی اور سیکورٹی کے سخت ترین پہرے میں محفوظ رہتے ہیں۔کس قدر آسانی سے یہ لاکھوں دستاویزات ایک ویب سائٹ کے ہاتھ لگ گئے؟ اور اس سے زیادہ آسانی سے دنیا بھر میں پھیلا دیئے گئے؟ الغرض وکی لیکس اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔

نانی جان کا سانحہ ارتحال

گزشتہ دنوں ایک ایسے جانکاہ حادثے کا صدمہ اٹھانا پڑا جس سے میری عقیدت ومحبت کا ایک جہاں وابستہ تھا اور بچپن کی کئی حسین یادیں نانی جان سے بھی جڑی ہوئی تھیں۔ افسوس صد افسوس کہ جان ودل سے قریب رشتے ایک ایک کر کے وقت کے تیز بہاؤ میں بہتے چلے جارہے ہیں۔ ننھیالی پھولوں کا حسین گلدستہ آہستہ آہستہ مرجھایا جارہا ہے۔ رشتوں کی ڈور پے درپے اجل کی تیز قینچی کی چیرہ دستیوں کے باعث کٹتی چلی جارہی ہے۔ ہماری نانی جان محبوبہ سلطانہ پرانے وقتوں کی ایک باوقار، وضع دار، سلیقہ مند خاتون خانہ تھیں۔ یہ ہمارے نانا جان حضرت حاجی کرم الٰہیؒ کی دوسری زوجہ تھیں۔ حضرت حاجی صاحب مرحوم جو اپنے وقت کے مشہور ومعروف پشاور کے نامور تاجر تھے لیکن ان پر تصوف اور دین اسلام سے وابستگی کی اتنی گہری چھاپ تھی کہ وہ اپنے وقت کے بڑے تاجر سے زیادہ صوفی وزاہد مشہور تھے۔ چنانچہ انہی کی صحبت اور انہی کے رنگ میں ہماری نانی جان بھی رنگ گئیں۔ گزشتہ چالیس پچاس برس میں شاید ہی کوئی ایسی رات انہوں نے بسر کی ہو جو تہجد اور یاد الٰہی کی سرگوشیوں سے خالی ہو۔ قرآن کی تلاوت کرنا، عبادت سے زیادہ ان کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی۔ عمر بھر خاتون خانہ کی حیثیت سے ایک مثالی زندگی قائم تھی۔ ہماری والدہ ماجدہ مرحومہ جن کی وفات پر راقم نے زندگی کا سب سے بڑا تعزیتی شذرہ لکھا تھا اور جس میں ہماری والدہ کے عظیم کردار اور اس کی عظیم صفات کا اختصار سے ذکر کیا تھا، تو ایسی عظیم والدہ کی ساری تربیت اور سلیقہ مندی انہی نانی جان کی مرہون منت تھیں۔ ہماری والدہ ماجدہ کو آپ سے آخر دم تک بڑا پیار اور عقیدت رہی۔ گو کہ نانی جان والدہ مرحومہ کی حقیقی والدہ نہیں تھیں لیکن تین برس کی چھوٹی عمر سے انہی کو اپنی حقیقی ماں کے روپ میں دیکھا۔ نانی جان کو بھی ہماری والدہ کے ساتھ خصوصی محبت اور تعلق رہا۔ اسی بناء پر بچپن میں اکثر چھٹی کے دن پشاور میں ان کے گھر پر ہمارا قیام رہتا۔ اس قدر مہمان نوازی، خاطر مدارت اور شفقتوں اور محبتوں سے ہم کو سیراب کرتیں کہ اس کی مثال دادھیال میں بھی ملنا مشکل ہے۔ راقم، برادر عزیز مولانا حامد الحق، بڑی ہمشیرہ اور ماموں زاد اعجاز حسین اور نواسے عدنان کے ساتھ خصوصی لگاؤ تھا۔ نانی جان کی وفات سے جہاں میرے بچپن کا ایک حسین باب ہمیشہ کیلئے بند ہو چکا ہے وہیں اس حادثے سے حضرت والدہ ماجدہ مرحومہ کے بچھڑنے کا غم بھی تازہ ہو گیا ہے۔ والدہ، نانی، دادی اور دادا کے رشتے بڑے انمول رشتے ہوتے ہیں۔ انکے بچھڑنے کی کسک زندگی بھر ہر موڑ پر راقم اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ شاید یہ رشتے انسان کے بچپن کے بے غرض مخلص چاہنے والے ہوتے ہیں، اسی لئے عمر بھر ان کی یادوں کا اجالا دل ودماغ کی نگریوں میں کسی نہ کسی چراغ کی صورت میں جلتا رہتا ہے۔ اس موقع پر ماموں ڈاکٹر منیر اقبال اور انکی اہلیہ بھی باعث تعریف ہیں کہ انہوں نے اپنی عظیم والدہ کی ایسی لازوال خدمت کی جو اس مادیت اور مصروفیت کے زمانے میں الف لیلوی داستان کا کردار معلوم ہوتا ہے۔ ہمیں اس اندوہناک سانحہ کی اطلاع مدینہ منورہ میں ملی۔ حضرت والد صاحب، راقم اور نانی جان کے دوسرے پوتوں نے ریاض الجنۃ میں نوافل اور باقی ننھیال کے خاندان کے آٹھ افراد نے مکہ میں ان کیلئے اُسی دن عمرہ اور طواف ادا کئے یہ بھی انکی نیک بختی کی علامت ہے۔ جمعہ کی رات باوضو موت کی تمنا انکی دیرینہ خواہش تھی سو اللہ نے ذی الحجہ کا ماہ مقدس اور جمعہ کی رات انکے نصیب میں لکھ دی۔ یقیناً اللہ رب العزت نے بہشت بریں میں اس نیک سیرت اور پاکیزہ خاتون کا استقبال کیا ہوگا۔

بحث ونظر: حضرت مولانا یحییٰ نعمانی
خصوصی مضمون برائے ''الحق'' صدر المعہد العالی للدراسات الاسلامیہ لکھنؤ

علت القتال کیا ہے؟ کفر؟ شوکت کفر؟ یا محاربہ؟

جہاد کی آیات اور ان کے پس منظر کی روشنی میں

(۴) اس موقف کے حامل حضرات کثیر تعداد میں ان نصوص کو بھی پیش کرتے ہیں جن میں کفار یا مشرکین سے جنگ کرنے کا حکم آیا ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ان نصوص پر سرسری نظر ڈالی جائے تو یہ تأثر یقیناً قائم ہوتا ہے کہ سارے کفار و مشرکین سے جنگ کا حکم دیا جارہا ہے۔ مگر اگر قرآن مجید کے سیاق وسباق میں غور کیا جائے اور یہ اصول مدنظر رہے کہ قرآن مجید کی آیات جنگ کے حالات میں نازل ہوا کرتی تھیں جب کہ کفار و مشرکین کے مخصوص گروہوں یعنی مشرکین مکہ، دیگر عرب قبائل اور یہود مدینہ اور نصارائے شام وروم میں سے کسی کے خلاف جنگ قائم ہوتی تھی تو یہ سمجھ لینے میں دقت نہیں پیش آئے گی کہ ان نصوص کا مقصد لوگوں میں ان دشمنوں سے قتال کے لئے جوش وآمادگی پیدا کرنا ہوتا تھا۔

مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فوجوں کو روانہ کرتے تو جو ہدایات دیتے تو ان میں یہ بات بھی فرماتے:
اغزوا باسم الله قاتلوا من كفر بالله (صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب تامير الإمام الأمراء)
اللہ کے نام پر جنگ کو جاؤ، اللہ کا انکار کرنے والوں سے جنگ کرو۔ اب اگر اس کے صرف ظاہری الفاظ کو دیکھیں تو کفر علت قتال نظر آتا ہے، جو کسی کے نزدیک مراد نہیں ہے۔ یا جیسے قرآن میں کہا گیا: وقاتلوا المشركين كافة كما يقاتلونكم كافة (التوبة: ٣٦) تمام مشرکوں سے جنگ کرو جیسا کہ وہ سب کے سب تم سے جنگ کرتے ہیں۔

اس آیت میں تمام مشرکین سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا، مگر آگے اس کا سبب یہ بیان کیا گیا کہ ''وہ سب کے سب تم سے برسرپیکار و جنگ ہیں، اس لئے تم بھی ان سب سے جنگ کرو''۔ اس سبب کے بیان سے خود بخود مراد طے ہوگئی کہ اس آیت سے صرف مشرکین عرب مراد ہیں۔

(۵) مولانا مودودیؒ نے اس نقطۂ نظر کو کہ مسلمانوں کو بشرط مقدور غیر مسلم حکومتوں سے ہر حال میں جنگ کرنی

ہے،نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس کے دلائل مرتب کیے ہیں۔ مولانا اس کو مصلحانہ جنگ کا نام دیتے ہیں۔ موصوف نے ایک نہایت طولانی بحث کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں کی اجتماعیت کا اصل مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، یہ امت اسی فریضہ کی انجام دہی کے لئے قائم کی گئی ہے۔ پھر مولانا فرماتے ہیں کہ امر بالمعروف تو طاقت کے زور سے انجام دیے جانے والا فریضہ نہیں ہے، وہ تو وعظ و نصیحت کے ذریعہ انجام دیا جائے گا۔ البتہ منکر کی مولانا نے دو قسمیں قرار دی ہیں، (۱) قلب و ذہن کی اور خیال و رائے کی گندگی اور ناپاکی۔ اس کو دور کرنے کے لئے وعظ و تلقین کا حکم دیا گیا ہے۔ اور (۲) فعل و عمل کی برائی۔ مولانا کہتے ہیں کہ اسلامی شریعت نے اس کو بزور طاقت مٹانے کو مسلمانوں کا فریضہ قرار دیا ہے۔ اس کے لئے مولانا نے ان احادیث کا حوالہ دیا ہے جن میں منکر سے اگر قدرت ہو تو طاقت کے زور سے روکنے کا حکم آیا ہے "فلیغیرہ بیدہ" پھر مولانا فرماتے ہیں کہ ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ:

> اگر مسلمانوں میں اتنی قوت ہو کہ تمام دنیا کو منکر سے روک کر اسے قانون عدل کا مطیع بنا دیں تو ان کا فرض ہے کہ اس قوت کو استعمال کریں اور جب تک اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا نہ دیں چین نہ لیں۔ (الجہاد فی الاسلام)

یقیناً احادیث میں اس کا حکم آیا ہے کہ "تم میں سے جو کوئی برائی (منکر) دیکھے تو اس کو اگر قدرت ہو تو ہاتھ سے مٹا دے، مگر باتفاق علماء یہ حکم مسلم امت کے داخلی دائرے کے اندر کا ہے۔ کسی نے اس کا مطلب یہ نہیں سمجھا ہے کہ جو غیر مسلم ان منکرات کو منکر ہی نہیں جانتا مثلاً شراب خوری، محرمات اکل و شرب، ہر مسلمان ان کو بھی بزور طاقت مٹانے کا (بشرط قدرت) ذمہ دار ہے۔ بلکہ یہاں بھی وہی اشکال سامنے آتا ہے کہ کوئی اس کا قائل نہیں کہ جہاد کے نتیجے میں "منکر" کا خاتمہ ہو جائے گا۔ بلکہ جہاد کے بعد اہل ایمان کو جب فتح نصیب ہوگی تو "فعل و عمل کی برائی" والا وہ منکر (جس کے خاتمے کو مولانا جہاد کا مقصد بتاتے ہیں) باقی رہے گا، اہل ذمہ شراب بنائیں گے، پییں گے، مردار کھائیں گے، حرام کام کریں گے اور عملی طور پر مشرکانہ اعمال و رسوم پر کاربند رہیں گے۔ جہاد اور اسلامی حکومت ان چیزوں کا خاتمہ نہیں کریں گے۔ یہیں سے مولانا کا استدلال بے محل ثابت ہو جاتا ہے۔

پھر مولانا نے "قاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ" والی آیت کے علاوہ کچھ اور آیات بھی پیش فرمائی ہیں جن کے بارے میں مولانا کا کہنا یہ ہے کہ ان میں "بزور شمشیر" جہاد کر کے "فتنہ و فساد" کو مٹانے کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر مجھے سخت حیرت ہے کہ اس مقام پر مولانا ایسی آیات بھی کیسے اور کیوں کر ذکر کر گئے ہیں جن کا موضوع جہاد و قتال سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ مثلاً قرآن نے ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل پر واضح کر دیا گیا تھا کہ جس نے کسی جان کو قتل کیا بغیر اس کے کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد مچایا ہو تو گویا اس نے سارے انسانوں کو قتل کر دیا۔ (من قتل نفسا

بغير نفس أو فساد في الأرض فكأنما قتل الناس جميعا، المائدہ ۳۲) ایک جگہ قرآن نے منافقین کے بارے میں کہا کہ وہ پہلے بھی مسلمانوں میں افتراق وانتشار پیدا کرنا اوران کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے روگرداں کرنا چاہتے تھے، ان کے اس عمل کو قرآن نے ''فتنہ پروری'' سے تعبیر کیا اور کہا ''لقد ابتغووا الفتنة من قبل '' مولانا رحمۃ اللہ نے یہاں یہ دونوں آیتیں بھی نقل فرمائی ہیں جو بے محل ہیں، یقیناً دونوں مقامات پر جن اعمال اور کرداروں کو فساد یا فتنہ کہا گیا ہے وہ خطرناک قسم کے منکر ہیں۔ مگر قرآن نے ان کے خلاف نہ جنگ کا حکم دیا ہے اور نہ ان کا استیصال جنگ کے ذریعہ ممکن ہے۔

ایک عجیب بات:

آگے چل کر مولانا مرحوم نے ایک مرتبہ پھر تفصیل سے واضح کیا ہے کہ قرآن نے کن کن جرائم کو فساد قرار دیا ہے۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں ورنہ ہم مولانا کی یہ پوری بحث نقل کرتے تا کہ قارئین کو اندازہ ہوتا کہ مولانا کی اس تشریح نے ساری ہی برائیوں اور خرابیوں کو اپنے دائرہ میں لے لیا ہے۔ مولانا مرحوم کے یہاں اس منکر کا دائرہ کتنا وسیع ہے جس کے خلاف جنگ کا حکم دیا گیا ہے، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ "الإثم" (گناہ) کو بھی مولانا نے اس فساد کا مصداق قرار دیا ہے کہ جو کسی قوم میں اگر پایا جائے تو اس کے خلاف جنگ ضروری ہو جائے گی۔ اب اس پر کیا رائے زنی کی جائے؟؟

فتنہ کی تشریح:

مولاناؒ کے اس موقف کی شاید اہم ترین بنیاد ''فتنہ'' کی وہ خاص تشریح ہے جو انہوں نے جنگ کی غایت اور انتہا بتانے والی آیت ''وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة'' (ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ باقی رہے) کے ذیل میں کی ہے۔ مولاناؒ نے منکر کی دو قسمیں: (۱) قلب وذہن کی گندگی، (۲) فعل وعمل کی برائی بیان کرنے کے بعد کہا ہے:

> منکر کی اس دوسری قسم کو جس کے خلاف اسلام میں قوت استعمال کرنے کا حکم دیا گیا ہے پہلی قسم سے ممتاز کرنے اور اس کی نوعیت کو اور زیادہ واضح کردینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فتنہ اور فساد کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے، چنانچہ ان تمام آیات میں جن میں منکر کے خلاف جنگ کی اجازت دی گئی ہے، یا جنگ کی ضرورت ظاہر فرمائی گئی ہے، یا اسے بزور شمشیر مٹانے کا حکم دیا گیا ہے، آپ کو منکر کے بجائے ہی فتنہ وفساد کے الفاظ ملیں گے'' (الجهاد في الإسلام، ص ۱۰۴)۔

مگر پھر مولانا نے فتنہ کو اللہ کے دین سے روکنے کے لئے زور، زبردستی اور تعذیب وامتحان کے معنی میں لیتے

ہوئے اس کو تقریباً (Persecution) کے ہم معنی قرار دیا ہے۔ واضح رہے کہ اوپر مولانا کی وہ عبارت آچکی ہے جس میں مولانا نے فتنے کی یہ تشریح کی تھی کہ اس سے مراد ہے ''سوسائٹی کی وہ حالت جس میں بندوں پر بندوں کی خدائی وفرماں روائی قائم ہو، اور جس میں اللہ کے قانون کے مطابق زندگی بسر کرنا ممکن نہ رہے، فتنے کی حالت ہے''۔ گویا مولانا خود تذبذب کے شکار نظر آتے ہیں اور ان کے یہاں اس اصطلاح کی تین مختلف تشریحات ملتی ہیں۔

فتنہ فعل وعمل کی برائی نہیں ہے

ہم پورے ادب سے عرض کرتے ہیں کہ قتال وجنگ کی علت کے طور پر جن دو مقامات پر قرآن نے ''فتنہ'' کا تذکرہ کیا ہے ان میں یہ ''فعل وعمل کی برائی'' کا مفہوم نہ کسی کوشش سے پیدا کیا جاسکتا ہے نہ آج تک کسی عالم نے پیدا کیا ہے۔ یہ سراسر ایک علمی جدت ہے۔ حقیقۃً یہاں صرف ظلم وجبر اور تعذیب کے ذریعہ لوگوں کو اسلام سے روکنا ہی مراد ہے۔ اور خود مولانا بھی اسی کتاب میں فتنہ کی یہی حقیقت بیان فرماتے ہیں (الجہاد صفحہ):

اب یہ لاینحل معمہ پھر ہمارے سامنے آجاتا ہے کہ پہلے تو مولانا نے یہ ارشاد فرمایا کہ فعل وعمل کی برائی وہ منکر ہے جس کو قرآن فتنہ اور فساد کا نام دے کر اس کے خلاف جنگ کا حکم دیتا ہے۔ اور آگے ''فتنہ کی تحقیق'' کے زیرعنوان رقم فرماتے ہیں کہ اس مؤخر الذکر مفہوم میں فتنہ کا لفظ تقریباً انگریزی لفظ (Persecution) کے (۱) ہم معنی ہے۔ ان دونوں باتوں میں کیسے جوڑ پیدا کیا جائے۔ مولانا نے ''فتنہ'' کے جو قرآنی استعمالات نقل کئے ہیں ان میں کہیں بھی فتنہ سے مراد فعل وعمل کی برائی والا منکر نہیں ہے جیسا کہ مولانا نے پہلے دعوی فرمایا تھا۔

فساد کی تشریح:

البتہ مولانا نے ''فساد'' کی جو تشریح فرمائی ہے اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ ان کی منشا تمام مفسد اخلاق گناہوں کو قرآن میں ''فساد'' کا مصداق قرار دینا ہے، موصوف نے فساد کے علت قتال ہونے پر دو آیتیں پیش فرمائی ہیں:

(۱) ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الأرض ۔ اگر اللہ لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پیدا ہوجاتا۔

(۲) من قتل نفساً بغیر نفس أو فساد في الأرض فکأنما قتل الناس جمیعاً ۔ جس نے کسی کو قتل کیا بغیر کسی قتل یا فساد کی سزا کے تو گویا اس نے ساری انسانیت کو قتل کردیا۔

کسی معمولی سے علم رکھنے والے کے لئے بھی یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ اس میں سے دوسری آیت تو کسی طرح جہاد وقتال سے متعلق ہے ہی نہیں۔ اس کو جو کچھ تعلق ہے وہ حدود وتعزیرات سے ہے۔ مولانا جیسے ذہین شخص نے اس کو

کیسے یہاں ذکر کیا اس پر حیرت ہے۔

جہاں تک پہلی آیت کا تعلق ہے وہ یقیناً جنگوں کا یہ نتیجہ بتا رہی ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دنیا کو بگاڑ سے بچاتا ہے۔ تفصیل کا موقع نہیں ورنہ ہم آیات کا سیاق پورا ذکر کرتے کہ یہاں قرآن نبی اسرائیل پر ظلم وستم کرنے والی طاقت کی شکست کا تذکرہ کررہا ہے، اس کے بعد کہہ رہا ہے کہ اسی طرح جنگوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو ظلم سے باز رکھتا ہے ورنہ دنیا تباہ ہوجائے۔ ذرا سے غور وفکر سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہاں فساد سے مراد وقت کے کفار کی وہ ظلم وسرکشی ہے جس کا سامنا بنی اسرائیل کرتے آرہے تھے، اور جس کا تذکرہ بنی اسرائیل کے قائدین کی زبانی ان الفاظ میں کیا ہے کہ ہمارے دشمنوں نے عرصے سے ہم کو اپنے وطن سے نکال دیا ہے، اور ہمارے بچوں (اور عورتوں) کو قیدی بنالیا ہے'' (وقد أُخرجنا من ديارنا وأبنائنا) بنی اسرائیل کی تاریخ کے اس واقعہ کے بیان سے پہلے جو آیات ۲۴۳ تا ۲۴۵) ہیں وہ مسلمانان مدینہ کو مکہ ظالم طاقت کے خلاف جنگ کرنے اور اس کی تیاری کے لئے مال خرچ کرنے کا حکم دینے والی آیات ہیں۔

اس سیاق میں بنی اسرائیل کی اسی حالت مظلومیت کا تذکرہ یقیناً مسلمانوں کو ان کی اپنی حالت یاد دلاتا تھا۔ اس ماحول اور سیاق کو ذہن میں رکھنے کے بعد بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ یہاں ''فساد'' سے کیا مراد ہے یقیناً ''فعل وعمل کی برائی'' جس کے دائرے میں مولانا آگے جاکر وہ تمام گناہ داخل بتاتے ہیں جو آدمی کے ذاتی اخلاق کو غارت کرتے ہیں، ہرگز یہاں مراد نہیں ہے۔ جس موقعہ اور زمانے کی یہ آیت ہے، اس میں مسلمانوں کو صرف اور صرف مکہ والوں کی تعدی اور ظلم وجبر سے لڑنے کا حکم دیا جارہا تھا۔

قرآن نے فساد کے خلاف کہیں قتال کا حکم نہیں دیا ہے:

بلکہ قرآن نے کسی جگہ بھی ''فساد'' کے خلاف جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا ہے، قرآن مجید میں مسلمانوں کو جہاد پر ابھارنے اور جنگ کے لئے جوش اور حمیت پیدا کرنے والی آیات نہایت کثرت کے ساتھ ہیں لیکن کہیں بھی ان کو ''فساد'' کو مٹانے کے لئے جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

فساد فی الأرض کے معنی:

ہاں! اللہ تعالیٰ نے یہ ضرور کہا ہے کہ اگر زمین اہل حق کے جہاد سے خالی ہوگی تو ''زمین میں فساد'' رونما ہوگا، ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لفسدت الأرض ''(البقرة:) فساد اپنے لغوی معنی کے لحاظ سے تو بڑا عام لفظ ہے، ہر بگاڑ اور صلاح کی ضد پر اس کا اطلاق ہوسکتا ہے اور مولانا مرحوم نے اس کو اسی معنی میں لیتے ہوئے قرآن کی

بہت سی آیات میں ''فساد'' کے معانی و مصداقات تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں تک کہ ''الاثم'' (یعنی بقول مولانا ذاتی اخلاق بگاڑنے والے گناہ) کو بھی فساد کا مصداق قرار دے دیا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ ہر گناہ بگاڑ ہے، مگر جب فساد کے یہ معنی اس سیاق میں بتلائے جائیں کہ ہر فساد و فتنہ کی خلاف جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور ہر اخلاقی خرابی فساد ہے، تو یہ تشریح بڑی محل نظر ہو جاتی ہے اور ''لا إکراہ فی الدین'' کے قرآنی اصول سے سیدھی جا ٹکراتی ہے۔

قرآن مجید میں فساد اور اس کے مشتقات Derivatives پچاس جگہ پر آئے ہیں، اور نہایت قلیل مواقع کے استثناء کے ساتھ عموماً ہر جگہ اس سے ناجائز خونریزی، بدامنی، حق تلفی اور ظلم و قہر کے معنی ہی مراد ہیں۔ جو حضرات اس کی تفصیل جاننا چاہیں وہ ایسے مواقع کو ان کے سیاق و سباق پر غور کے ساتھ دیکھ لیں، ان شاء اللہ اطمینان حاصل ہو جائے گا۔

مولانا مرحوم نے جو دو آیتیں اپنے خیال کے مطابق اس مقصد سے پیش کی ہیں کہ قتال کی ایک علت ''فساد'' ہے، ان میں ''فساد ارض'' یا فساد فی الأرض کے الفاظ ہیں۔ صرف فساد لغت کے اعتبار سے کسی بھی بگاڑ اور خرابی کے لئے آسکتا ہے۔ اگرچہ قرآن عموماً فساد کو اور خصوصاً باب افعال کے صیغے ''افساد'' کو خونریزی، ظلم و حق تلفی اور بدامنی کے معنی میں ہی استعمال کرتا ہے۔ مگر ''فساد فی الأرض'' کے بارے میں عربیت کے ذوق اور اس تعبیر کے مواقع استعمال سے یہ بات مکمل طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ صرف گناہ برائی یا مولانا کے الفاظ میں ذاتی اخلاق کو بگاڑنے والے گناہ ''الاثم'' پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ فساد فی الأرض کے معنی میں لازمی طور پر ظلم و زیادتی، خونریزی، اور طاقت کے زور پر لوگوں کو مقہور و مجبور بنانا ضرور داخل ہے۔ قرآن کے استعمالات پر گہری نظر رکھنے والے مشہور امام عربیت علامہ جار اللہ زمخشری نے اس طرف اشارہ فرماتے ہوئے لکھا ہے:

"والفساد فی الأرض ھیج الحروب والفتن" فساد فی الارض کے معنی جنگیں بھڑکانا اور فتنہ (قتل وخونریزی) پھیلانا ہے۔ (تفسیر سورۃ بقرۃ، آیت: ۱۱)

بالکل یہی الفاظ ہمیں صاحب مدارک التنزیل علامہ نسفی اور ابو السعود کے یہاں بھی ملتے ہیں۔

عجیب وغریب طریق استدلال:

یہاں مولانا کے استدلال کا یہ پہلو بڑا محل نظر ہے کہ قرآن نے اگر کسی جماعت کو ایک جگہ مفسد کہہ دیا تو اب پورے قرآن میں اس کے کردار و عمل کی جن خرابیوں کا بھی تذکرہ آیا ہے مولانا کہتے ہیں کہ یہ قرآن کی اصطلاح میں فساد کا مصداق ہے۔ یہ ایسے ہی ہے کہ کوئی کسی کو کہے کہ وہ نہایت خائن ہے، پھر کسی دن کہے کہ وہ شراب پیتا ہے، اس سے میں یہ نتیجہ اخذ کروں کہ متکلم کے نزدیک شراب پینا خیانت کا مصداق ہے۔ مذکورہ طریقہ استدلال بعینہ اسی قسم کا ہے۔

اس سے بھی عجیب بات:

بہرحال مولاناؒ کی اس پوری بحث کا حاصل یہ ہے کہ ''مصلحانہ جنگ'' کا سبب قرآن کے بموجب ''فتنہ اور فساد'' ہیں اور ان دونوں کے دائرے میں مولانا کی تشریح کے مطابق تمام ہی تمدنی اور اخلاقی خرابیاں آجاتی ہیں۔ بحث کے اس نقطہ پر پہنچ کر (جب ایک سادہ ذہن قاری ''فتنہ وفساد'' کو اسلامی نقطۂ نظر سے جنگ کا اصلی سبب جاننے لگتا ہے اور ان کے وہی معانی اس کے ذہن میں بیٹھ جاتے ہیں جو مولانا نے ذکر فرمائے ہیں اور وہ یہ یقین کرنے لگتا ہے کہ ہر طرح کے اخلاقی اور تمدنی فساد کو مٹانے کے لیے اسلام نے جنگ کو فرض کیا ہے) تو اب مولانا یہ فرماتے ہیں کہ نہیں! یہ ''فتنہ وفساد'' بھی جنگ کا سبب نہیں ہے، بلکہ جنگ کا اصل سبب غیر مسلم حکومت ہے، اور وہ اس جواز کی بنیاد پر کہ وہی ان ساری برائیوں کا سرچشمہ یا ان کا محافظ ہوتی ہے۔

بحث کا یہ پہلو چونکہ مولانا کے استدلال کا مرکزی حصہ ہے اس لئے ہم اسے مکمل مولانا کے الفاظ میں نقل کریں گے۔ مگر سردست ذہن میں اٹھنے والے اس سوال کا تذکرہ ضرور کردیں کہ پہلے تو مولانا ''فعل وعمل'' کی برائی ''منکر'' کو فتنہ وفساد کا مصداق قرار دے کر قتال کو ضروری قرار دیتے ہیں، اور مولانا کے یہاں اس کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس میں ''گناہ'' اور الاثــــم بھی جنگ چھیڑ دیے جانے کے لئے ایک سبب قرار پاتا ہے۔ مگر اچانک یہ کیا ہوتا ہے کہ ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ مولانا ان جرائم اور گناہوں کو نہیں بلکہ ''غیر مسلم حکومت'' کو قتال کا اصل سبب قرار دینے لگتے ہیں۔ وجہ مولانا ہی کے الفاظ میں پڑھیے:

> ''اب اگر ان تمام برائیوں پر ایک غائر نظر ڈالی جائے جن کو فتنہ وفساد سے تعبیر کیا گیا ہے تو اس سے یہ حقیقت واضح ہوجائے گی کہ وہ سب کی سب ایک ناحق شناس، ناخداترس، اور بداصل نظام حکومت سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگر کسی برائی کی پیدائش میں ایسی حکومت کا براہ راست کوئی اثر نہیں ہوتا تو کم از کم اس کا باقی رہنا اور اصلاح کے اثر سے محفوظ ہونا تو یقیناً اسی حکومت کے باطل پرور اثرات کا رہین منت ہوتا ہے۔ اول تو ایسی حکومت فی نفسہ ایک فتنہ ہے، کیوں کہ وہ حکومت کے منشأ اصلی کے خلاف ہوتی ہے۔ پھر اس کی برائی کسی ایک دائرے تک محدود نہیں رہتی بلکہ تمام برائیوں کا سرچشمہ اور فتنہ وفساد کے تمام اصول فروع کا منبع بن جاتی ہے۔ اسی سے صدعن سبیل اللہ ہوتا ہے، اسی سے حق وانصاف کا سر کچلا جاتا ہے، اسی سے بدکاروں اور ظالموں کو اپنے برے اعمال کی قوت حاصل ہوتی ہے، اسی سے اخلاق کو تباہ کرنے والے اور عدل اجتماعی (Social Justice) کو غارت کرنے والے قوانین نافذ ہوتے

ہیں، وہی بنی آدم کی جمعیت میں نفاق وشقاق کی تخم ریزی کرتی ہے، اسی کی بدولت جنگ وخونریزی کی آگ دنیا میں بھڑکتی ہے، اسی سے قوموں اور ملکوں پر بلائیں نازل ہوتی ہیں اور خلاصۂ کلام یہ کہ یہی وہ چیز جس کی قوت کسی نہ کسی حیثیت سے ہر بدی وبدکاری کا وسیلہ یا اس کے قائم یا باقی رہنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ (الجہاد صفحہ ۱۱۷)۔

مولانا مودودیؒ کی کتاب اس موضوع پر ایک کارنامہ تھا، اس کی اس تاریخی اہمیت میں کوئی دوسرا شریک نہیں کہ وہ ایسے وقت سامنے آئی جب الزامات کے شور نے کانوں کے پردے پھاڑ دیے تھے۔ پورے ماحول میں ایک طرح کی سراسیمگی طاری تھی، بہت کسی سے بن پڑتا تھا تو وہ نہایت نحیف آواز اور سہمے سہمے انداز میں کچھ معذرت خواہانہ صفائیاں پیش کرلیا کرتا تھا۔ اس ذہین نوجوان نے پورے اعتماد کے ساتھ جہاد کی وکالت کی۔ اور دوسرے مذاہب اور مغرب کے مدعیان تہذیب کے کارناموں کی تصویر سامنے رکھ کر نہ صرف تصور جہاد کی عظمت ظاہر کی بلکہ بہت سوں کو شبہات کے دلدل سے نکال لیا۔

مولاناؒ کی کتاب کی اس افادیت اور اہمیت کے پورے اعتراف کے باوجود ایک غیر جانبدار قاری مولانا کے نظریۂ ''مصلحانہ جنگ'' سے مطمئن نہیں ہوسکتا۔ غیر مسلموں کو تو چھوڑیے، خود مسلمان اہل دین اس نظریہ سے (جو اصطلاحات اور تعبیرات کے فرق کے ساتھ ایک مشہور نظریہ ہے) دلوں میں خلش پاتے ہیں۔ ہمارے برصغیر میں چونکہ مولانا نے ہی اس نظریہ کی جدید تفہیم کی ہے اور اس کے دلائل بڑی تفصیل سے پیش کیے ہیں اس لئے ہم نے ان کا مفصل جائزہ لینا ضروری سمجھا۔

رسول اللہ کی جنگوں کی نوعیت:

قرآن ہی نہیں رسول اللہ کی سیرت وسنت اور آپ کی دس سال مدنی زندگی کی جنگوں کا حال دیکھ لیجئے آپ نے کسی صلح پر آمادہ طاقت سے جنگ نہیں کی۔ مکہ والوں کے بارے میں قرآن نے بارہا صراحت کی کہ انہوں نے جنگ چھیڑ رکھی ہے ''وهم بدء وكم أول مرة'' (انہوں نے ہی جنگ کی ابتداء کی ہے) یہ بھی کہا کہ وہ زیادتی اور ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں ''واولئک هم المعتدون''۔ تاریخی واقعات بتاتے ہیں کہ مکہ میں مظالم اور مذہبی جبر کے اس دور کے بعد، جس کے نتیجے میں مسلمانون کو گھربار، مال اور اولاد چھوڑ کر ہجرت کرنی پڑی، وہ مدینہ پر حملے میں بھی ابتدا کرچکے تھے۔ ان کے حملہ آور مدینہ پر شب خون اور لوٹ کی کاروائیاں کرتے رہتے تھے۔ مزید انہوں نے، سنن ابوداؤد (باب فی خبر بنی النضیر) کی صحیح روایت کے مطابق، مدینہ میں یہود کو اور غیر مسلم عربوں کو بھی مسلمانوں سے لڑانے اور ان کے اخراج پر آمادہ کرنے کے لئے دھمکی آمیز خطوط لکھے۔ تیسرا یہ کہ انہوں نے عرب کی زمین مسلمانوں پر

ایسی تنگ کر رکھی تھی کہ غریب مہاجرین تجارت کے لئے، جس کے علاوہ ان کے پاس کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا، مدینہ سے نکل تک نہیں سکتے تھے۔ اس طرح مسلمان ایک طرح کی جیل میں اور معاشی حصار میں زندگی گذارنے پر مجبور تھے۔ (البقرۃ:۲۷۳)۔ اس لئے رسول اللہؐ نے ان کے خلاف جنگی کارروائیاں شروع فرمائیں۔

اس کے باوجود ان سے صلح پر آپ کی آمادگی کا یہ حال تھا کہ آپؐ نے ایک مرتبہ یہ تک فرمایا ''**لا یسألونی خطة یعظمون فیها حرمات الله إلا أعطیتهم إیاها**'' یعنی قریش مجھ سے جو بھی صلح کی شرط رکھیں گے اگر اللہ کی حرمات کا خیال رکھا جائے گا تو میں اسی کو ضرور قبول کرلوں گا (بخاری، باب الشروط فی الجہاد)۔

مدینہ کے یہودی قبائل کو رسول اللہؐ نے اسلامی ریاست کے معزز اور باحیثیت شہریوں کی طرح رکھا۔ ریاست کا جو دستور لکھا گیا اس میں یہود کے قانونی امتیازات حقوق و فرائض کا پورا تذکرہ کیا گیا تھا۔ یہود نے اس کو قبول کر کے اسلامی ریاست اور اس کے حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے رسول اللہؐ کو قبول کیا تھا۔ مگر سب سے پہلے بنی قینقاع نے علانیہ معاہدہ توڑا، بغاوت کی اور جنگ کا اعلان کیا (سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد)۔ پھر بنو نضیر نے غداری کی انتہا یہ کی کہ رسول اللہ کو (معاذ اللہ) دھوکہ سے قتل کرنا چاہا۔ سازش کا انکشاف ہوگیا مگر آپؐ نے بھی تحمل کی انتہا کردی۔ ان کو سزا دینے کے بجائے مہلت دینے کا ارادہ فرمایا اور ان سے کہا کہ اب تم پر اس کے بغیر اطمینان نہیں کیا جاسکتا کہ تم از سر نو معاہدہ لکھو۔ مگر وہ تو آمادۂ جنگ تھے، معاہدۂ صلح پر آمادہ نہیں ہوئے۔ جب کہ بنی قریظہ نے معاہدہ کی تجدید کی۔ پھر آپ نے ان پر لشکر کشی فرمائی (سنن ابی داؤد، باب خبر بنی النضیر، بسند صحیح)۔ بنی قریظہ کی عہد شکنی بلکہ غزوۂ خندق کے نازک ترین موقع پر حملہ آور فوجوں کا ساتھ دینا اور حملہ میں شرکت معروف ہے۔

دیگر عرب کے مشرک قبائل کے بارے میں قرآن کی صراحت اور تاریخ کی تصدیق ہے کہ وہ سب مسلمانوں کے خلاف آمادۂ پیکار تھے اور قریش کے اتحادی تھے۔ قرآن نے ان کے بارے میں کہا ہے: ''**وقاتلوا المشرکین کافة کما یقاتلونکم کافة**'' اور تمام مشرکین سے جنگ کرو اس لئے کہ وہ سب کے سب تم سے جنگ کررہے ہیں۔

نجد کے قبائل عکل وعرینہ اور بنو سلیم کی سنگین غداریاں اور خونچکاں حرکتیں معروف ہیں۔ بنو مصطلق جن پر آپ نے اچانک حملہ کیا تھا، وہ پہلے سے محارب تھے، انہوں نے احد میں اہل مکہ کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ پھر ان کے سردار کے بارے میں یہ اطلاع آئی کہ وہ مدینہ پر حملے کے لئے فوجیں جمع کررہا ہے۔ آپ نے بریرہ بن الحصیب الاسلمیؓ کو تصدیق کے لئے بھیجا، وہ خود سردار قبیلہ حارث ابن ابی ضرار سے ملے اور اسی سے تیاریوں کی تصدیق کرلی، جب تحقیق ہوگئی تو آپ نے حملہ فرمایا، (طبقات بن سعد، ۶۳/۲، وسیرت ابن ہشام)۔

شمال عرب کی مہمات کی تفصیل پیچھے غزوۂ تبوک اور غزوہ موتہ کے حوالے سے گذر چکی ہے، ہم نے ان مہمات کا پورا تاریخی پس منظر ذکر کر دیا ہے۔ اس سے یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ نے ان طاقتوں کے خلاف جو جنگ کی تھی وہ ان کے محاربہ کے نتیجہ میں تھی، آپ نے کسی صلح جو اور امن پر آمادہ طاقت کے خلاف قطعاً جنگ نہیں کی۔

ابن تیمیہ اور ابن قیم کی صراحتیں:

امام ابن تیمیہ اپنے رسالہ قاعدۃ فی قتال الکفار میں کہتے ہیں:

وکانت سیرته (صلی الله علیه وسلم) ان کل من هادنه من الکفار لا یقاتله، وهذه کتب السیرة والحدیث والتفسیر والفقه والمغازی تنطق بهذا وهو متواتر من سیرته.

آپ کی سیرت کی شہادت ہے کہ آپ سے جن کفار نے صلح کی آپ ان سے جنگ نہیں کرتے تھے، یہ سیرت کی کتابیں ہیں، یہ حدیث وتفسیر اور فقہ وتاریخ کی کتابیں ہیں، سب یہی بتلاتی ہیں۔ اور یہ چیز آپ کی سیرت سے متواتر اور قطعی طور پر ثابت ہے (کتاب مذکور صفحہ:۱۳۴)۔

علامہ ابن قیمؒ اپنی کتاب ''ہدایۃ الحیاری'' میں کہتے ہیں:

من تأمل سیرة النبی (صلی الله علیه وسلم) تبین له ......أنه انما قاتل من قاتله وأما من هادنه فلم یقاتله۔

جو رسول اللہ کی سیرت میں غور کرے گا اس کو پتہ چل جائے گا کہ...... آپ نے صرف ان لوگوں سے جنگ کی جو آپ سے جنگ کرتے تھے، رہے وہ جنہوں نے آپ سے صلح کی آپ نے ان سے جنگ نہیں کی۔ (جلد اول، صفحہ:۱۱۲)۔

عہد نبوی کی جنگوں کے لئے صحیح تعبیر:

عہد نبوی کی جنگوں کو جن بزرگوں نے ''دفاعی'' جنگوں کا نام دیا ہے، غالباً یہ لفظ اس لئے صحیح نہیں کہ اس سے یہ خیال قائم ہوتا ہے کہ آپ نے دوسروں کے حملوں کا صرف دفاع کیا۔ حالانکہ واقعہ یہ تھا کہ آپ محاربہ کا ارادہ اور تیاری کرنے والوں کے خلاف خود بھی اقدامات فرمایا کرتے تھے۔ جنگ بدر ایسے ہی ایک اقدام کے نتیجہ میں وقوع پذیر ہوئی۔ موتہ اور تبوک کی یہی کہانی ہے۔ اور بنو مصطلق اور دیگر کئی مہموں کی یہی حقیقت ہے۔ آج کی اصطلاح میں آپ ان جنگوں کو (Preemptive wars) کہہ سکتے ہیں۔ بہر حال آپؐ نے دفاعی جنگیں بھی لڑیں ہیں اور محاربہ

کرنے والوں کے خلاف اقدامی جنگیں بھی۔ مگر آپ کی ہر جنگ صرف محارِب طاقتوں کے خلاف تھی۔ اور اسی لئے قطعی طور پر منصفانہ تھی اور اس ''اعتداء'' اور زیادتی سے پاک تھی جس سے دور رہنے کا حکم قرآن نے مسلمانوں کو عین اس وقت دیا تھا جب ان پر جنگ کرنا واجب قرار دیا جا رہا تھا۔ **وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم و لا تعتدوا إن الله لا یحب المعتدین.**

علت القتال محاربہ ہے:

اسی لیے راقم سطور کی رائے میں جہاد کو صرف دفاع کی حد تک محدود کہنا صحیح نہیں ہے۔ جہاد اقدامی بھی ہے اور دفاعی بھی۔ اس لیے کہ دفاع کے لفظ سے یہ مترشح اور محسوس ہوتا ہے کہ حملے میں پہل ناجائز ہوگی۔ حالانکہ ظلم اور ''فتنہ'' کی مرتکب طاقت کے خلاف قرآن نے جنگ کی ابتدا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور رسول اللہؐ اور صحابۂ کرام نے ایسا کیا ہے۔ نیز ایک اہم بات یہ ہے کہ کسی طاقت نے اگر جنگ کی ابتدا نہیں کی ہے لیکن وہ صلح پر اور اسلام کی دعوت کے امکانات کھولنے پر راضی نہ ہو اور اس کی طرف سے حملے کا خدشہ قائم ہو تو اس پر پیش قدمی کر کے حملہ اگرچہ دفاع نہیں کہا جا سکتا لیکن مسلّم عرف انسانی میں یقیناً وہ ایک جائز حملہ ہوگا۔ اور رسول اللہؐ نے ایسی متعدد جنگیں کی ہیں۔

اسی طرح ایک مرتبہ جب کسی طاقت سے جنگ چھڑ جائے، اور دشمن کسی بامعنیٰ صلح پر راضی نہ ہو، لیکن دونوں فریق بغیر کسی معاہدے کے عملاً قتال اور لڑائی روک کر اپنے مورچوں میں واپس چلے گئے ہوں، پھر ایک فریق حملے میں ابتدا کر دے تو یہ، دفاعی جنگ نہ ہونے کے باوجود، اس پہلے سے چلی آ رہی جنگ کا تسلسل ہونے کی وجہ سے جائز اور معقول جنگ ہوگی۔ اس میں آپ حملہ آور فریق کو ظالم نہیں کہہ سکتے۔ رسول اللہؐ نے قریش کے تجارتی قافلوں پر جو حملے کیے، جن میں وہ مشہور حملہ بھی تھا جس کے بعد غزوۂ بدر پیش آیا، وہ اسی نوعیت کے معرکے تھے۔ اس کے علاوہ متعدد جہادی مہمات یہی نوعیت رکھتی تھیں۔

قرونِ اولیٰ کی جنگی مہمات:

صحابہ کرام اور خلافت راشدہ کے دور میں فارس و روم کی مقبوضات فتح کی گئیں، اس دور میں ہم کو ان دونوں سلطنتوں کے خلاف ایران کی سرحدوں سے لے کر شام و مصر اور الجزائر تک جنگوں کا ایک طویل سلسلہ ملتا ہے۔ جلد بازی اور سرسری نظر سے مطالعہ کرنے والے ان جنگوں کی علت یہ بتاتے ہیں کہ صحابۂ کرام نے جب عرب کے دائیں بائیں نظر اٹھائی کفار کو حکمراں دیکھا۔ تو ان کو اپنے دین کا یہی حکم نظر آیا کہ ان کے سروں پر تلوار لے کر پہنچ جائیں اور صاف کہہ دیں یا اسلام قبول کرو یا مسلمانوں کے لیے تخت چھوڑ دو۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ جنگیں دراصل عہد نبوی کی جنگوں کا امتداد ہیں، رسول اللہ کی جب وفات ہوئی تو شام کے حدود پر رومن امپائر کے ساتھ جنگ شروع ہو چکی تھی، اور متعدد معرکے ہو چکے تھے۔ قیصر اور اس کی ماتحت طاقتیں اپنے پڑوس میں ایک انقلابی اور نہایت جاذب ومؤثر دعوت پر قائم ریاست کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے لاکھوں کے لشکر جمع کر چکیں تھیں۔ اور رسول اللہ نے ان کی پیش بندی کے لئے اقدامات بھی فرمائے تھے۔ لیکن نہ رومیوں کا زور ٹوٹا تھا نہ ان کے ارادے بدلے تھے۔ لہذا بعد میں بھی اس قسم کے اقدامات کرنے ضروری تھے، تاکہ اس خطرے کا سد باب ہو سکے، یہ کام خلافت راشدہ کے دور میں انجام پایا۔

سلطنت فارس دوسری بڑی طاقت تھی، جو صحابہ کرام کے ہاتھوں زیر ہوئی۔ رسول اللہ نے اس کے فرماں روا کسریٰ کو دعوت اسلام کا خط لکھا، جو اس نے نہ صرف نہایت رعونت کے ساتھ پھاڑ ڈالا، بلکہ اپنے ایک گورنر کو (معاذ اللہ) رسول اللہ کو گرفتار کر کے اپنے سامنے پیش کرنے کا حکم دیا۔ یمن کے گورنر نے دو سپاہیوں کو رسول اللہؐ کے لیے اس پیغام کے ساتھ مدینہ بھیجا کہ اپنی اور عرب کی خیر چاہتے ہو تو گرفتاری قبول کر کے کسری کے دربار میں حاضر ہو جاؤ۔ ورنہ تم کسری کی طاقت وجبروت کو جانتے ہو، وہ تمہارے پورے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔

بہر حال اس پس منظر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ تصور سراسر سطحی مطالعہ پر مبنی ہے کہ خلافت راشدہ کے دور میں جو جنگیں ان ممالک کے ساتھ ہوئیں قصہ کی ابتداء وہیں سے ہوتی ہے۔ نہ ان کے ساتھ کوئی کشمکش جاری تھی اور نہ یہ حکومتیں اس کے علاوہ کسی اور جرم کی مرتکب تھیں کہ وہ غیر مسلم تھیں اور صاحب شوکت تھیں۔ افسوس! کس قدر سادگی کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ لوگ جو خلافت راشدہ کی ان جنگوں کے پورے تاریخی پس منظر کے ریکارڈ ہونے کے باوجود ان ظالم وخونی حکومتوں کو اور ان کے دشمنِ حق حکمرانوں کے خلاف جنگ کا سبب صرف غیر مسلم حکومت کا خاتمہ قرار دیتے ہیں؟؟ کوئی شخص جو ایک طرف ان سلطنتوں کی توسیع پسندی کی ہوس اور خونی تاریخ کو جانتا ہو اور دوسری طرف وہ نوخیز اسلامی ریاست اور ان طاقتوں کے ابتدائی تعلقات کے اس پس منظر پر بھی نظر رکھتا ہو جس کو ہم نے اوپر ذکر کیا، کیا وہ اس غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے بالکل پڑوس میں واقع ان عالمگیر طاقتوں سے کوئی خطرہ نہیں تھا؟؟ اگر شدید خطرہ تھا، اور یقیناً تھا، تو ان جنگوں کا حقیقی سبب اس سنگین خطرے کی پیش بندی اور اسلامی ریاست کا تحفظ تھا۔

ان دونوں حکومتوں سے جنگ کو مسلمانوں پر فرض کرنے والی ایک دوسری اہم چیز یہ بھی تھی کہ ان طاقتور حکومتوں کے باقی رہتے ان کے عوام تک اسلام کی دعوت پہنچنے کا قطعاً کوئی امکان نہیں تھا۔ اوپر ہم ذکر کر آئے ہیں کہ اسلام کے اولین داعیوں کا کیا انجام رومن امپائر کی تابع ایک عرب ریاست میں ذات اطلاح کے مقام پر ہوا۔ دعوت

اسلام دیتے ہی پندرہ میں سے چودہ داعیوں کو قتل کردیا گیا، صرف ایک نہایت زخمی حالت میں ...... مدینہ پہنچ سکا۔ ان ریاستوں کے ایک معزز امیر نے اسلام قبول کرلیا تو ہرقل (بیزنطینی رومن سلطنت کے فرمانروا) نے اس کو بلا کر سولی پر لٹکا دیا کہ دوسروں کے لئے عبرت کا سامان بنے۔

نامۂ نبوی پر کسریٰ کے رعونت بھرے ردعمل نے صاف بتا دیا تھا فارسی علاقوں میں دعوت اسلام کا نام بھی نہیں لیا جاسکتا۔ ان حکومتوں کے مذہبی جبر، اور قرآنی اصطلاح میں ''فتنہ'' اور ''صدعن سبیل اللّٰہ'' نے یقیناً ایسی صورت حال پیدا کردی تھی کہ اللّٰہ کے سپاہی اٹھیں اور ان کے غرور کو، بحکم خدا، خاک میں ملا دیں۔

ان حکومتوں کا یہی جرم دراصل صحابۂ کرام کی جنگوں کا اصل سبب تھا۔ دراصل اس زمانہ کی صورت حال ہی ایسی تھی کہ کوئی حکومت اپنی قلمرو میں دوسرے دین کو اور خصوصاً اسلام جیسی دعوت کو ہرگز نہیں پنپنے دے سکتی تھی، یہ چیز اس زمانے کی صورت حال میں بالکل قطعی اور طے تھی، اسی لئے رسول اللّٰہؐ نے ان حکمرانوں کو جو خطوط لکھے تھے ان میں کہا تھا کہ اگر تم اسلام نہیں لائے تو پوری قوم کے کفر کے تم ہی ذمہ دار ہوگے۔ آپؐ نے کسریٰ کو لکھا: **فـإن أبيت فعليك إثم المجوس** ''(تاریخ طبری: ۲/۱۴۳) مقوقس شاہ مصر کو آپ نے لکھا: ''**فـإن أبيت فـإن إثم القبط عليك** ''(زاد المعاد: ۳/۶۰۰) قیصر کو آپ نے لکھا: ''**فعليك إثم اليريسين** ''(صحیح بخاری) یریسین یا اُرلسین سے مراد کاشتکاروں پر مشتمل وہ کثیر تعداد کی رعایا تھی جو رومی مقبوضات (شام و مصر اور افریقہ وایشیا) کے وسیع علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی، اور جن کی حیثیت تاریخ کی واضح شہادتوں کی روشنی میں مقہور و مجبور غلاموں کی سی تھی۔

ایک اور استدلال:

جو حضرات بوقت قدرت تمام غیر مسلم حکومتوں سے، چاہے وہ صلح کرنے پر آمادہ ہی کیوں نہ ہوں، جنگ کے فرض ہونے کی رائے رکھتے ہیں ان میں سے بعض بزرگ اسی استدلال کے لیے جو مولانا مودودی کے حوالے سے اوپر گذرا ہے ایک نسبۂ زیادہ معقول تعبیر اختیار کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ غیر مسلم حکومت جب اپنی حربی طاقت، مادی وسائل اور اپنے نظریات کے ساتھ موجود رہے گی تو اس کی یہ شوکت خود اس کے عوام کے لئے اسلامی دعوت قبول کرنے سے ایک نفسیاتی رکاوٹ پیدا کرے گی، کفر کی ایسی شوکت و عزت کے ساتھ لوگ آزادانہ غور و فکر نہیں کرسکیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ کسی بھی قوم کی شوکت و طاقت اس کے نظریہ کے لئے ایک مددگار و سازگار ماحول پیدا کرتی ہے، اور اس ماحول میں کسی دوسری اجنبی دعوت کے لئے ایک درجہ کی نفسیاتی رکاوٹ پیدا ہونا یقیناً فطری امر ہے۔ مگر مجھے یہ بتائیے کہ کیا اگر کوئی دوسری قوم یہ کہے کہ ہمارے نظریات پر مسلمان غیر جانبداری کے ساتھ اس وقت تک غور

کر ہی نہیں کر سکتے جب تک مسلمانوں کی حکومت وشوکت ختم نہیں کی جائے ،لہذا ہم مسلمانوں کے ملک پر اس لیے حملہ کرر ہے ہیں تا کہ وہ آزادانہ ہماری دعوت پر غور کرسکیں ،تو ایسی شکل میں ہم کیا کہیں گے؟؟

اگر ہم مذہب وعقیدہ اور نظریہ کے سلسلہ میں آزادانہ انتخاب کے اصول کے قائل ہیں تو آزادی کے لئے ساری ملتوں کے حق میں ایک ہی معیار اپنانے کا پابند ہونا ضروری ہے۔

نیز یہ بھی سوچئے کہ دنیا میں کون انصاف پسند اس قوم وملت کے بارے میں اچھی رائے رکھ سکے گا جو یہ کہے کہ چوں کہ ہم کو اپنے دین کی تمہیں دعوت دینی ہے اور تمہاری حکومت اور طاقت ایسی نفسیاتی رکاوٹ بن رہی ہے جس کے رہتے ہوئے تمہارے لئے ہماری دعوت پر پورے طور پر غیر جانبدار ہو کر غور کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے ہم تم سے جنگ کر کے پہلے اپنی حکومت تم پر قائم کریں گے اور تمہاری طاقت ختم کریں گے۔ہم بصد ادب و نیاز اپنے بزرگوں سے گذارش کریں گے کہ یہ منطق اسلام کی دعوت کے سامنے کسی بھی غیر مسلم حکومت سے بڑی نفسیاتی رکاوٹ بنے گی۔اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں یہی تاثر قائم کرے گی کہ یہ باتیں سب بہانے اور دھوکے ہیں،اوران کی آڑ میں ہم کو غلام بنانے اور دباؤ اور لالچ کے ذریعہ ہمارا دین بدلنے کا منصوبہ ہے۔

اصل بات کیا ہے؟

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ علماء سلف کی اکثریت کی تحریروں اور تشریحات سے غالب تاثر یہ نہیں قائم ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت اور غیر مسلم حکومت کے درمیان اصل صلح ہے،اور صلح پر آمادہ قوم کے خلاف جنگ کی گنجائش نہیں ہے۔ ماضی کی طویل تاریخ پر محیط اسلامی فکر کا عمومی رجحان اسی طرف محسوس ہوتا ہے کہ اگر مسلمانوں کے پاس قدرت وطاقت ہوتو وہ کسی غیر مسلم طاقت سے صلح نہیں کریں گے،چاہے وہ کسی ''فتنہ'' یا زیادتی کی مرتکب نہ ہو،اور صلح کی پیش کش بھی کرے۔

پھر کیا یہ رائے غلط تھی؟ کیا علمائے سلف اور ائمہ اسلام اتنی لمبی مدت تک ایک غلط بات کہتے آئے؟ ہر گز نہیں۔اسلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ قیامت تک مکمل محفوظ رہے گا۔اور یہ بھی کہ اس امت کے اہل علم اجتماعی طور پر کسی غلطی میں نہیں پڑیں گے، جو لوگ اپنے علم وفہم کی بنیاد پر اسلاف امت اور ائمہ کرام کے مجموعی موقف کو غلط سمجھتے ہیں وہ بے شمار گمراہیوں کے دروازے کھولتے ہیں۔

ہمیں پورا اطمینان ہے کہ جس دور میں اور جن حالات میں یہ رائے ظاہری کی گئی تھی وہ بالکل برحق رائے تھی،ان حالات کے لئے وہی شرعی حکم تھا۔ پہلے کے زمانوں میں ہر ریاست واضح مذہبی شناخت رکھتی تھی۔ بادشاہتیں

مذہب سے اپنی حکومت کے استحکام کا کام لیتی تھیں۔ بادشاہ یا تو خدا کا اوتار بنتا تھا یا مذہبی قیادت کے ساتھ اس کا یہ سمجھوتہ ہوتا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں گے۔اس لئے اس کا نہ کوئی امکان ہوتا تھا اور نہ ہی تصور کہ کوئی طاقتور حکومت اور منظم ریاست اپنے قلم رو میں اسلام کی نشر واشاعت و دعوت اور اللہ کی عبادت و بندگی کی اجازت دے سکتی ہے۔

اسی لیے مسلمانوں نے جن ریاستوں سے جنگ کی ان میں سے کسی نے کبھی اس کا جھوٹا دم بھی نہیں بھرا تھا کہ وہ اسلامی دعوت کے لئے راستہ کھولنے کو تیار ہے۔

رسول اللہؐ نے سلاطین عالم کو خطوط لکھے تو ان میں صاف لکھا کہ اگر تمہاری حکومت اسلام قبول نہیں کرتی تو عوام کی گمراہی کا گناہ بھی تم پر ہی ہوگا۔ یہ اسی صورت حال کی طرف اشارہ تھا۔اس صورت حال میں چاہے وہ ماضی میں ہو یا حال میں یا مستقبل میں شرعی حکم یہی ہوگا کہ قدرت ہو تو ضرور جنگ کی جائے۔اور اللہ کے دین کے سامنے سے رکاوٹیں ہٹادی جائیں۔

واضح رہے کہ ہماری اس بات کا تعلق محض اس مفروضے سے ہے کہ کوئی حکومت عملا دعوت اسلام کے سامنے رکاوٹ نہیں بن رہی ہو اور صلح پر آمادہ ہو۔ بہت سے معاصر علماء واہل دانش کی طرح ہم یہ نہیں کہہ رہے کہ اس زمانے میں کہیں '' فتنہ'' باقی نہیں ہے۔دعوت اسلام کے سامنے سارے راستے پوری ایمان داری کے ساتھ کھول دیے گئے ہیں، موجودہ زمانہ عیاری اور دجل کے اماموں کا ہے،اس لیے بالکل ممکن ہے کہ کسی حکومت کو جب اسلام کی دعوت اپنے نظام سیاست اور مفادات کے سامنے رکاوٹ یا خطرہ بنتی نظر آئے تو وہ اس سے علانیہ جنگ کرے،اور اس کا منہ بند کرنے اور اس کے حاملین پر ظلم کرنے کے لیے جھوٹے بہانے گھڑے۔لیکن اگر دنیا کی کوئی حکومت عملا دعوت اسلام کے سامنے رکاوٹ نہیں بن رہی ہو اور صلح پر آمادہ ہو تو یقیناً اس سے جنگ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔واقعہ میں کون سی حکومت کس کے لیے کیسی ہے ہم اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ رہے۔لیکن اس زمانے میں نظریاتی سطح پر ضرور یہ سوال ہم سے کیا جارہا ہے اور خود مسلمانوں کے ذہنوں میں آرہا ہے کہ کیا مسلمانوں کو ان کے دین کا حکم یہ ہے کہ اگر ان کے بس میں ہو تو وہ دنیا کی ساری قوموں سے جنگ کریں اور ان کے اوپر مسلمانوں کی حکومت قائم کریں؟؟ ہم بس یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اسلام صلح چاہنے والی اور اسلامی دعوت کا راستہ نہ روکنے والی حکومت سے جنگ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

جاہلانہ غلو کی ایک مثال:

ہمارے یہاں دینی حمیت کے نام پر کس قدر جہالت آمیز غلو کے شکار ''اہل علم وقلم'' پائے جاتے ہیں اس کی

ایک مثال اس وقت میرے سامنے ہے۔ سرٹی، ڈبلیو، آرنلڈ سے برصغیر کے اہل دانش ناواقف نہیں۔ جب دنیا اسلام کے تلوار کے زور پر پھیلنے کے پروپیگنڈے سے گونج رہی تھی، شور تھا کہ مسلمانوں نے تلوار کی دھار پر قوموں کو زبردستی مسلمان بنایا ہے، اور یہ سب اس لئے تھا کہ استعماری طاقتوں اور عیسائی مشنریز کے لئے عجم کی مسلم اقوام کو اسلام سے برگشتہ کرنا اور ان میں قومی عصبیتوں کو افروختہ کرنا آسان ہو جائے، اس وقت اس غیر مسلم حق گو کی آواز اٹھی کہ: سب جھوٹ ہے۔ ایک شاندار کتاب The preaching of Islam کے نام سے ایسی شائع کی کہ اس کی افادیت آج بھی مسلّم ہے۔ ایسے منصف مزاج اور مسلمانوں کے حق میں مفید ثابت ہونے والے غیر مسلم دانشور کے بارے میں ایک صاحب فرماتے ہیں کہ ان جیسوں کو تہ تیغ کر دینا چاہئے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

ہم آپ مزید شرمندہ و حیران اور مضطرب ہوں گے جب آپ ان صاحب کو دیا گیا علمی مرتبہ جانیں گے۔ قصہ یہ ہے کہ آرنلڈ کی کتاب کا دنیا کی مختلف اسلامی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا، عربی کے مترجم نے مصنف کے تعارف میں یہ لکھ دیا کہ "حق یہ ہے کہ ہم مصنف کی قدر نہیں کر سکتے"۔ بس کیا تھا ایک برخود غلط نادان "دکتور" نے تبصرہ فرمایا:

اس کی قدر؟ اس کی قدر یہ ہے کہ تلوار سے سر قلم کر دیا جائے، الا یہ کہ وہ اسلام کے سامنے سر جھکا دے یا جزیہ دے۔

"قلت ان قدره لو يعلم هؤلاء هو الضرب بالسيف حتى يبرد، او يخضع للإسلام أو يدفع الجزية"

(أهمية الجهاد للعلياني، صفحہ: ۲۶۲، بحوالہ فقہ الجہاد، شیخ یوسف القرضاوی: ۲۵۳/۱)

معاف کیجئے گا جو شرمندگی ہو کہ ہمارے درمیان دین و شریعت میں اسی قدر کج فہمی کے شکار بھی پائے جاتے ہیں۔ یہی نہیں، حیرانی و شرمندگی کی انتہا نہیں رہتی جب معلوم ہوتا ہے کہ موصوف اس تحریر پر جامعہ ام القریٰ، سعودی عرب سے ڈاکٹریٹ کی سند پاتے ہیں اور ان کو ممتاز کا گریڈ دیا جاتا ہے۔

کیسے عرض کیا جائے کہ سعودی عرب میں علم دین کے ساتھ کیسا مذاق ہو رہا ہے!!

اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی رکھنے والے غیر مسلموں کے لئے یہ خیالات رکھنے والے نہ قرآن کو سمجھتے ہیں نہ حدیث کو۔ کاش ان کی نظر جاتی کہ بدر کے قیدیوں کو دیکھ کر رسول اللہ کو ایک پرانا غیر مسلم محسن مطعم بن عدی یاد آتا ہے، جس نے آپ کو طائف سے واپسی پر پناہ دی تھی، آپ فرماتے ہیں: اگر مطعم حیات ہوتے اور ان کو چھوڑنے کی سفارش کرتے تو میں ان کی خاطر ان سب کو چھوڑ دیتا۔ (بخاری)۔

اس ذہنیت کے لوگوں کی نفسیات کا یہ محض ایک نمونہ ہے۔ اس کو ایک دو افراد کا مسئلہ سمجھنے کی غلطی نہیں کرنی

ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی *

قرآن اور محمدؐ کے بارے میں مستشرقین کی ہرزہ سرائیاں

قرآن کریم کے معجزانہ الفاظ جیسے ہی کفار ومشرکین کے کانوں تک پہنچے، حیران وپریشان ہوگئے اور کہنے لگے کہ اس کلام نے تو ہماری زبان دانی کو بے اثر کر کے رکھ دیا ہے۔ چوں کہ ان کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے انکار تھا، اس لیے سوچ سمجھ کر طے کیا کہ اگر تعلیمات نبویؐ کی مخالفت نہ کی گئی اور ان میں عیوب نہ نکالے گئے تو اس کی سحر انگیزی سے پورا مکہ مسحور ہو کر حلقہ اسلام میں داخل ہو جائے گا۔ چنانچہ ان لوگوں نے کلام ربانی اور آپ کی تعلیمات کی قدر وقیمت اور معنویت کو گھٹانے کے لیے متعدد قسم کے اعتراضات کیے۔ مجموعی طور پر ان کے نزدیک قرآن سب کچھ ہوسکتا تھا، مگر اللہ کا کلام نہیں ہوسکتا تھا۔ اسی نہج کو اختیار کرتے ہوئے بعد کے عہد میں عیسائیوں اور یہودیوں نے دانستہ طور پر محض تعصب کی بنا پر قرآن کریم پر بہتیرے اعتراضات کیے ہیں۔ مگر جب ان کے اعتراض میں کوئی جان نہ رہی تو پھر ان کی ہرزہ سرائی کا رخ بدل گیا اور تعلیمات قرآنی کو خرافات کا مجموعہ ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ چنانچہ مستشرق 'ویلز' نے یہ پروپیگنڈا کیا: ''مقدس اشخاص کی صف میں شامل ہونے کے لیے محمد کو ادھیڑ عمر میں ان کے حوصلہ مندانہ جذبات نے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھنے پر آمادہ کیا۔ اسی مقصد کے پیش نظر انہوں نے ''خرافاتی عقائد'' اور سطحی ''رسوم وروایات'' کا ایک مجموعہ تیار کیا۔ اپنی قوم میں اس مجموعہ کی اشاعت کی اور کچھ لوگوں نے اس کی پیروی بھی کی۔''[1] فرانسیسی مستشرق 'بلاشر' نے یہ باور کرانے کی کوشش کی: ''قرآن کے بیان کردہ واقعات اور یہودی ومسیحی حکایات میں بڑی مشابہت پائی جاتی ہے۔ ابتدائی مکی سورتوں میں مسیحی اثرات بہت زیادہ نمایاں ہیں اور انجیل کے غیر تسلیم شدہ نسخوں خصوصاً کتاب پیدائش جو اس زمانے میں عام تھی اور قرآن کے بیان کردہ واقعات میں مشابہت موجود ہے۔ بانی اسلام اور مسیحی راہبوں کے درمیان مکہ میں تعلقات استوار تھے۔''[2] 'فلپ اریگنی' متضاد آرا کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے: 'محمد کی مکہ میں اکثر یہودیوں سے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ محمد اپنے خادم زید سے جو عیسائیوں کا غلام رہ چکا تھا، یہودی اور مسیحی مذاہب کے بارے میں استفسار کی غرض سے سوالات کیا کرتے تھے۔ وہ اپنے خادم سے زیادہ سمجھدار تھے۔ مدینہ میں محمد یہودیوں کے شاگرد رہے۔ یہودیوں ہی نے یہ شخصیت تیار کی تھی۔ یہودیوں اور مسیحیوں

---

* شعبہ دینیات (سنی) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (یوپی)

چاہئے۔ مسلمانوں کی مظلومیت اور مغرب کی لگاتار اور بے حیا چیرہ دستیوں نے ایک عجیب قسم کی برخود غلط سوچ پیدا کردی ہے، جو ہمارے لئے ایک مشکل مسئلہ بن رہی ہے۔ اسلام کے یہ نادان دوست اسلاموفوبیا پھیلانے والوں اور صیہونیت اور صلیبیت کی نہایت بیش بہا خدمت انجام دے رہے ہیں۔

اسلاموفوبیا کی خدمت:

کچھ لوگ دینی حمیت وصلابت کے نہایت پسندیدہ جذبے سے ایسی تعبیرات پر اصرار کرتے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچانے والی ہوتی ہیں۔ آپ ذرا سوچئے! یہ بات کہ اگر ہمارے پاس قدرت ہوگی تو ہم دنیا کی ہر قوم کو اس حق سے محروم کردیں گے کہ وہ اپنے اوپر اپنی پسند اور اپنی قوم کی حکومت قائم کرے۔ وہ یا تو اسلام قبول کرے، ورنہ اس کو ہماری حکومت کے تحت رہنا ہوگا غیر مسلموں کے لیے کیسا خوف زدہ کرنے والا تصور ہے۔ جہاد کی یہ تعبیر مشرق ومغرب کی تمام قوموں کو اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی پر متحد کررہی ہے۔ اور مختلف مسلم دشمن لابیوں کو اس کا سامان فراہم کررہی ہے کہ وہ دنیا کی مختلف قوموں کو یہ باور کرائیں کہ مسلمان واقعۃً ایسا خطرہ ہیں کہ ان کو ویسے ہی دبا کر رکھنا ضروری ہے جس طرح امریکہ واسرائیل کے زیر قیادت دنیا میں اِس وقت ان کو رکھا جارہا ہے۔

آخری بات:

اس خاص پہلو پر فوری غور کی اس لیے شدید ضرورت ہے کہ بظاہر دنیا میں قیادت اور پالیسی کی بڑی تبدیلیاں قریب ہیں۔ بلکہ مغرب پورے طور پر آگاہ ہے کہ ان تبدیلیوں کی قوت اور رفتار ایسی ہے کہ اب ان کو روکنا کسی کے لیے ممکن نہیں۔ جدید دنیا کی قیادت اور سیاسی ثقل کا مرکز امریکہ اور مغربی یورپ سے جنوبی ایشیا منتقل ہورہا ہے۔ نئی قیادت اپنے مصالح کے مطابق یقیناً نئی پالیسیاں بنائے گی۔ امریکہ اور اسرائیل اس وقت جدید قیادت کو اسلام سے خوف دلا کر اپنی پالیسیوں کی بقا اور مفادات کے تحفظ کے لیے کوشش کررہے ہیں۔ ان کی کوشش ہوگی کہ وہ دنیا کی نئی قیادت کو پھر سے مسلمانوں سے اسی طرح متنفر کردیں جس طرح جانے والی قیادت کو لگاتار ایک خاص نفسیاتی کیفیت میں رکھا گیا۔ اگر اس کروٹ بدلتی دنیا میں اور اس کے نئے سیاسی ذہن میں بھی وہی اسلاموفوبیا اور اسلام دشمنی باقی رہی تو یقیناً ہم اگلی نئی دنیا میں دعوت اور امن وانصاف دونوں کے امکانات کو کھودیں گے۔

شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات۔

اللہ سے دعا ہے کہ یہ باتیں وہاں پہنچ جائیں جہاں ان کے پہنچنے سے اصل فائدہ ہوسکے۔

سلسلہ خطبات جمعہ شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب

عشق الٰہی اور اس کے تقاضے

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعد عن ابی ذر قال خرج علینا رسول الله ﷺ قال اتدرن ای الاعمال احب الی الله قال قائل الصلوة والزکوة وقال قائل الجهاد قال النبی ﷺ ان احب الاعمال الی الله تعالیٰ الحب فی الله والبغض فی الله (رواه احمد و ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابی ذرؓ سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ (اپنے کمرہ مبارکہ سے) نکل کر (مسجد نبوی ﷺ) میں ہمارے پاس تشریف لاکر (ہم سے سوالیہ انداز میں پوچھا) کیا تم جانتے ہو اللہ کے نزدیک سب سے محبوب ترین عمل کون سا ہے، کسی ایک کہنے والے نے کہا نماز یا روزہ یا زکوٰۃ ایک اور صحابی نے کہا جہاد حضور ﷺ نے فرمایا خدا کی رضا اور خوشنودی کے لئے کسی سے محبت کرنا اور اللہ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر کسی سے بغض وعداوت اور نفرت کرنا ہے۔

معاصی کا صدور:

اللہ رب العالمین نے انسان میں جو صفات پیدا فرمائے اگر صفت قابل تعریف ہے تو اس کے ساتھ اسی صفت کی ضد بھی پیدا فرمائی۔ مثلاً غصے کا آنا ہر انسان میں موجود ہے۔ اس کے ساتھ صفت صبر، حلم و بردباری سے بھی انسان کو نوازا گیا لیکن ہر ایک کے بروئے کار لانے کے اپنے اپنے مواقع اور محل ہیں۔ مگر اللہ کی ذات اور اس کے محبوب ﷺ کی عظمت احکامات الٰہی اور شعائر اسلام وغیرہ (معاذ اللہ) میں کمی اور توہین کا کوئی ارادہ کرے تو ایک مسلمان کی غیرت وحمیت کا تقاضا ہے کہ خلاف شرع حرکت کرنے والے شخص کے لئے اس کا جذبہ غیض وغضب اور نفرت کے معاملے کا ظہور ہو، شریعت مطہرہ نے جہاں یا جس فرد سے منکرات معاصی کا صدور ہو اس شخص یا جگہ سے نفرت اور براءۃ کرنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ برائیوں اور مالک کائنات کے احکامات کی نافرمانی دیکھ کر اس پر خاموشی اور مدافعت اختیار کرنا منع ہے۔ خطرہ ہے کہ ایسے اعمال پر چشم پوشی اختیار کرنے والا کہیں اس کے ساتھ شریک عذاب نہ ہو جائے۔

نہی عن المنکر کے طریقے:

گناہگار کو گناہوں سے منع کرنے کے تین طریقے آنحضرت ﷺ نے اپنے فرمان مبارکہ میں ذکر کئے ہیں جن کا اکثر وبیشتر آپ حضرات کے سامنے ذکر کرتا رہتا ہوں۔ جس میں سب سے کمتر درجہ یہ ہے کہ ایسے شخص سے اس

کے بدعمل ہونے کی وجہ سے دل میں نفرت کیا جائے ، اسکے مقابلے میں صبر ہے کہ کسی کی عزت یا ذاتی مفادات میں کمی بیشی ہونے کی صورت میں شیطان اسے مجبور کردے کہ نفرت اور غصہ اسے ، دوسرے کے مرنے مارنے پر آمادہ کردے، یہی وہ موقع ہے کہ حلم غالب آکر والعافین عن الناس کا مصداق بن جائے تو دین اور معاشرہ کی نظروں میں صابرین کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوجاتا ہے۔ یہی کیفیت محبت اور عداوت کی بھی ہے،

انس کے معنی:

انسان کا لفظ انس سے بنا ہے جس کے معنی محبت کے ہیں، ہر انسان میں محبت کا پایا جانا موجود ہے۔ کوئی مال ودولت کی محبت میں گرفتار ہے تو کوئی حسن وجمال کا دلدادہ ہے،

محبوب دوعالم ﷺ اور صلحاء سے محبت:

ایسے خوش نصیب بھی اس دنیا میں موجود ہیں جن کی محبت کی حقیقی جڑیں اللہ، اسکے محبوب ﷺ، صحابہ کرامؓ علماء صلحاءؒ اور اہل اللہ ہی سے وابستہ ہیں، اگر عداوت ہے وہ بھی صرف ان لوگوں سے ہے جو ان کے محبوب یعنی اللہ جل جلالہ، اس کے رسول، ان کے احکامات کے نافرمان اور دشمن ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ نہ کیا جائے کہ اللہ ورسول سے محبت کے ہوتے ہوئے کسی اور سے محبت منع ہے اگر اپنے نفس سے محبت ہے تو اس کا حکم بھی اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، اہل و عیال سے محبت ہے، حلال کمائی کا شوق ہے یہ بھی رسول برحق کی عین اطاعت ہے۔ محبوب کے ہر حکم کی بجا آوری محبوب سے محبت کے ہونے کی دلیل ہے، ایک زندہ انسان کو دنیا میں رہنے کیلئے جائز تعلقات اور محبتوں کے بغیر وقت گزارنا ممکن ہی نہیں۔ شرط یہ ہے کہ ان محبتوں کا تعلق صرف ان چندروزہ زندگی تک ہی رکھا جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ ان فانی محبتوں کے لئے اللہ کی محبت کو قربان کیا جائے۔

اللہ کے نزدیک محبوب عمل:

یہی وجہ ہے کہ خطبہ کے ابتداء میں ذکر کردہ حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل اللہ کے واسطے محبت اور اللہ کے واسطے بغض ونفرت قرار دیا، نماز زکوۃ اور جہاد سے بھی بہتر قرار دینے کا یہ مطلب نہیں کہ یہ عبادات واعمال افضیلت اور محبوبیت میں بلکہ یہ مبارک اعمال صدق دل اور اخلاص سے وہ شخص ادا کرے گا جس کا دل صحیح طور پر اللہ، رسول اور اس کے متبعین کے محبت سے معمور اور منور ہوگا، ان عبادات سے محبت بھی اسی وجہ سے ہوگی کہ اس کے محبوب کے احکامات کی تعمیل ہے، حب فی اللہ اور بغض فی اللہ اور وہ عداوۃ، عدواۃ حسنہ نہیں مستحق نہیں جو اللہ کے رضامندی کے لئے نہ ہو۔

مسلمان کا حق:

ہمیں اگر کسی کے جنازہ میں شرکت کرنی ہے تو اس نیت سے کرنی چاہیے، کہ ہمارے محبوب ﷺ کا حکم

اور مرنے والے سے تعلق بھی اس بناء پر ہے کہ وہ اللہ کا برگزیدہ بندہ ہے، اس للّٰھی تعلق ومحبت کی بناء پر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق ہیں ان میں سے ایک اس کے جنازہ میں شرکت ہے۔ جس کی ادائیگی کر رہا ہے جب مسلمان کی عیادت کرنی ہو تو نیت یہی ہو کہ آقا ﷺ نے جو حقوق مسلمان کے بیان فرمائے ہیں، ان میں سے ایک مریض کی عیادت ہے جو خالصتہ اللہ ورسول کی خوشنودی و رضا کے لئے ہو نہ کہ اپنی حاضری لگانے یا دینوی اغراض کے حصول کے لئے۔

<u>بیمار پرسی کا ثواب:</u> اسی سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔

وعن ابی هریره ان النبی ﷺ قال اذا عاد المسلم اخاه او زاره قال الله تعالیٰ طبت وطاب ممشاک وتبوّات من الجنة منزلا (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کر رہے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب کوئی مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی بیمار پرسی یا ملاقات کی خاطر اس کے پاس جاتا ہے تو رب کائنات فرماتے ہیں (دنیا وآخرت میں) تیری زندگی خوشنما و بہتر ہو۔ (اللہ نے یہاں آنے کی جو ہمت وقوت نصیب فرمائی۔) ہر قدم پر تجھے ثواب ملا (اور اس عمل کی وجہ سے) جنت میں بہت بڑھی اور عالی شان جگہ بھی مل گئی۔

اللہ کی رحمت کا یہ عالم اور ہماری غفلت کی حالت یہ کہ اگر کوئی کسی مسلمان کی عیادت یا جنازہ میں شرکت کی دعوت دے تو پہلے پوچھتے ہیں کہ مریض یا میت کون ہیں۔ اگر واقف ہے یا اس سے کوئی دینوی تعلق وابستہ ہو یا رہا ہو تو اس کے ساتھ اس بابرکت عمل میں اپنے یا دوسرے کی خوشنودی کی خاطر شریک عمل ہو جاتے ہیں اگر واقفیت نہ ہو یا کوئی دینوی رشتہ نہ ہو تو معذرت کر جاتے ہیں۔ بڑی ڈھٹائی سے کہہ دیتے ہیں کہ فلاں مسلمان میرا واقف نہیں کہ گویا یہ ہمارا تعلق اللہ کی ذات کے واسطہ سے نہیں بلکہ سارا رشتہ و ناطہ اپنے ذات اور مفاد کے ارد گرد گھومتا ہے۔ زیادہ اجر وثواب تو وہاں ہے جہاں للّٰھی تعلق ومحبت ہو۔

<u>طالب جنت کے لئے سعی:</u>

محترم حضرات آپ کو اندازہ ہے کہ اس حرکت کی وجہ سے ہم لوگ کتنے عظیم اجر وثواب سے اپنی کوتاہی کی وجہ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ہم میں سے جنت کی طلب تو ہر مسلمان کی ہے مگر طلب کے ساتھ شرط یہ ہے کہ جنت کے حاصل کرنے کے ذرائع روبہ عمل لائے جائیں۔ مانا جائے اللہ تو غفور ورحیم ہیں انسان اپنے طاقت کے مطابق اللہ کے راضی ہونے کا مظاہرہ کرے پھر اللہ کے رحمت کی شان دیکھیں کہ وہ تو بخشنے کیلئے بہانہ چاہتے ہیں فوراً معافی سے نواز کر گناہوں کو نیکیوں سے تبدیل کر دیتے ہیں۔

صحبت کا اثر:

اللہ کے لئے محبت کا اظہار تب ہوگا کہ مسلمان کا اٹھنا بیٹھنا، رہنا سہنا بھی اللہ کے محبوب لوگوں کے ساتھ ہو ایک موقعہ پر سرکار دو عالم صلعم نے ایک صحابی کے جواب میں فرمایا

دعن عبداللہ بن مسعودؓ قال جاء رجل الی النبی صلعم فقال یا رسول ﷺ کیف تقول فی رجل احب قوما و لم یلحق بھم فقال المرءُ من احب (روی بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہو کر سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ اس فرد کے بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے جو کسی جماعت یعنی علما، اتقیاء، صلحاء اور دیندار لوگوں سے محبت رکھتا ہوں حالانکہ اس کی ملاقات ان سے نہ ہوئی ہو انبیاء کے سردار ﷺ نے فرمایا (قیامت کے روز) انبیاء اور دینداروں سے محبت رکھنے والے اپنے ان (محبوبین) کے ساتھ ہونگے۔

صحابہؓ کا عشق نبوی ﷺ:

محترم حاضرین صحابہؓ کی حضور سے محبت کی حالت یہ تھی کہ جنت میں آنحضرت کے دیدار کے بغیر ان کو جنت میں جانا بھی پسند نہ تھا۔ ایک صحابی عرض کرنے لگا یا رسول اللہ صلعم آپ کا مقام تو جنت میں بہت اعلیٰ اور بلند ہوگا اور ہم بھی اگر جنت پہنچ گئے ظاہر ہے ہمارا مقام آپ کے برابر نہیں ہوسکتا۔ آپ کے دیدار سے محروم رہیں گے سراپائے رحمت صلعم نے قرآن کی آیت ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم یعنی جنت میں آپ لوگ جس چیز کی تمنا کریں گے تم کو ضرور ملے گی تلاوت فرمائی۔ اگر کسی کی یہ آرزو ہو کہ جنت میں ہر وقت حضور سے شرف ملاقات اور رفاقت سے بازیاب ہو یہ خواہش بھی پوری ہوگی۔ اللہ تو قادر مطلق ہے ہر وہ کام جو ہم ضعفاء کے نظروں میں ناممکن ہے اللہ کے ایک کُن سے ہر ناممکن ممکن ہو کر ظاہری صورت اختیار کر جاتا ہے یہ بھی عقل کے لحاظ سے ناممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ جنتی کو ایسی نظر و قوت عطاء فرمائے جسکے ذریعے وہ حضور ﷺ سے مرتبہ کے لحاظ سے کم ہونے کے باوجود بھی درمیانی رکاوٹیں ہٹ کر اپنے محبوب صلعم کا مشاہدہ کرسکیں گے۔ حضور ﷺ کے اس جواب کے بعد صحابی کی بے چینی دور ہو کر اطمینان حاصل ہوا۔ اللہ کے حکم کی بجا آوری کے لئے آپس میں محبت کرنے والے اگر دو ایسے جگہوں پر ہوں جن کے درمیان ہزاروں میل کا فاصلہ ہو ان کو رب العزت قیامت کے روز آپس میں ملا دیں گے۔

اللہ کے لئے محبت کا نتیجہ:

رحمۃ للعالمین صلعم کا ارشاد ہے وعن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لو ان عبدین تحابا فی اللہ عزوجل واحد فی المشرق و آخر فی المغرب لجمع اللہ بینھما یوم القیامۃ یقول ھذا

للذی کنت تحبه فیّ (روی البیهقی)

ترجمہ: حضرت ابوھریرہؓ حضور صلعم سے روایت نقل کر رہے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب دو مسلمان اللہ کی رضا مندی کیلئے محبت کرتے ہیں حالانکہ یہ دونوں دنیاوی فاصلہ کے اعتبار سے ایک دنیا کے مشرق میں اور دوسرا مغرب میں رہتا ہے۔ رب کائنات ان دونوں کی ملاقات کروادیں گے تاکہ ان کا آپ میں تعارف ہو جائے کہ وہ فرد ہے جس سے تو نے دنیا میں صرف میری خوشنودی کی خاطر محبت کا رشتہ قائم رکھا۔

کیا ہی عجیب وغریب انعامات واعزازات ہیں ان قسمت والے مسلمانوں کیلئے جنہوں نے اپنے دوستی کیلئے معیار یہ رکھا ہو کہ دوستی ان لوگوں سے رکھنی ہے جن کے تعلق کا حکم اللہ نے دے رکھا ہے اور بغض ان لوگوں سے کرنی ہے جن سے قطع تعلق کا بھی اسی کا ہے۔ حضرت امامہؓ ایک حدیث آنحضرت ﷺ سے روایت کر رہے ہیں کہ جس مسلمان نے ایک مسلمان سے خالص اپنے مالک وخالق کے خوشنودی کو پیش نظر رکھ کر محبت کی تو اس نے حقیقت میں اپنے رب العالمین کی عزت اور تکریم کی۔ پھر اس کا اجر وصلہ جو ان کو ملے گا وہ بھی قابل رشک ہے کہ قیامت کے دن ایسے تعلق رکھنے والوں کیلئے رب کائنات ایسے نور کے منبر عطا فرمائیں۔ جن کا تصور بھی اس فانی دنیا میں ناممکن ہے صرف اسی پر اکتفا نہیں بلکہ جیسے پہلے ایک حدیث کے ضمن میں عرض کر چکا ہوں کہ جو انسان اللہ کی رضا کی خاطر دوسرے انسان سے ملنے کیلئے روانہ ہو اللہ تعالیٰ تین عظیم انعامات سے نوازتے ہیں اور زائر کے پیچھے بطور اعزاز واکرام ستر ہزار فرشتے روانہ ہو کر دعا دیتے ہیں کہ یا اللہ مسلمان صرف آپ کی رضا کی خاطر ایک دوسرے مسلمان کی زیارت کیلئے روانہ ہے اسے اپنے آغوش رحمت میں جگہ نصیب فرما اور پھر آپ کو معلوم ہے کہ فرشتوں جیسے پاک مخلوق کے دعوات کے قبول نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

محبت وعداوت رضائے الٰہی کی خاطر: محترم دوستو جب محبت وعداوت کا انحصار صرف اللہ کی رضا ہو جائے۔ تو ان دونوں صفات کے مقابلہ دنیا کی قیمتی اور محبوب ترین شی بھی رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ صحابہ کرام نے عملی طور پر اسکے ایسے ثبوت دیئے۔ جن کو سن کر بڑے بڑے اپنے آپ کو عقل کل سمجھنے والے حیران رہ جاتے ہیں۔ کہ یا اللہ یہ کیسے عجیب اور ایمان کے پکے مسلمان تھے کہ اللہ کے ایک ایک حکم پر عمل کرنے کیلئے انہوں نے نہ خونی رشتوں کی پرواہ کی اور نہ مال ودولت اور عہدہ واقتدار کی۔

منافق اعظم کا بغض باطن: عبداللہ ابن ابی کا نام آپ حضرات سنتے رہتے ہیں مدینہ منورہ کا رہنے والا بظاہر مسلمان، باطن میں سب سے بڑا منافق مسلمانوں میں شامل ہو کر کوئی موقع مسلمان کو نقصان دینے سے نہ کتراتا۔ اس کے سرشت اور خمیر میں اسلام اور مسلمان دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری پڑی تھی۔ مسلمانوں کو بدنام اور ضرر پہنچانے کوئی

ہاتھ سے جانے نہ دیتا۔ ایک سفر کے موقع دو مسلمان کسی بات پر آپس میں لڑ پڑے۔ ایک مدینہ ہجرت کرنے والا مہاجر دوسرا مدینہ کا رہائشی انصار تھا۔ ابن ابی کو مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے کا موقع ہاتھ آیا فورا کہنے لگا اگر ہم مدینہ کے اصلی باشندے ان بے یار و مددگار باہر سے آنے والے مسلمانوں کو جگہ نہ دیتے تو آج ان کو ایک مقامی فرد سے جھگڑنے کی جرأت نہ ہوتی۔ خوب زہر اگلا۔ آخر میں یہ کہنے لگا "لئن رجعنا الی المدینة لیخرجن الاعز منها الا ذل" ترجمہ: البتہ اگر ہم پھر واپس گئے مدینہ کو تو جن کے اقتدار کا مدینہ شہر میں زور ہے کمزور لوگوں کو مدینہ سے نکال دیں گے۔ اپنے آپ اور اپنے ہمنوا منافقوں کو عزت دار اقتدار والے کہا اور نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کے جان نثار ساتھیوں اور صحابہ کو ذلیل کہا۔

اللہ اور اللہ کے رسول معزز: اس جملے کا ابی ابن سلول کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ کو معلوم ہوا۔ وہ حضور ﷺ پر اپنے جان کو قربان کرنے والے اسلامی احکامات کے عمل پیرا مخلص مسلمان تھے۔ اسکی غیرت ایمانی سے مہاجرین اور صحابہ کے بارہ میں باپ کا یہ جملہ برداشت نہ ہوسکا مدینہ کو جب واپسی شروع ہوئی۔ تلوار ہاتھ میں لے کر مدینہ کے دروازہ پر باپ کے انتظار میں کھڑا ہوگیا۔ جب دروازہ سے باپ کا گزر ہونے لگا۔ اسے روک کر فرمایا تم نے رسول اللہ ﷺ اور اس کے مخلص ساتھیوں کے حق میں جو توہین آمیز کلمات کہے ہیں جب تک ان سے رجوع اور یہ اقرار نہ کرو کہ میں اور میرے ساتھی ذلیل اور انحضرت ﷺ اور اسکے رفقاء معزز ہیں زندہ مدینہ میں داخل ہونے نہ دونگا۔ اب ابی کے لئے دو راستے تھے۔ ایک موت جو اسکے سامنے کھڑی تھی دوسرا اپنے آپ کو ذلیل کہنا اور سرور کائنات اور ان کے صحابہ مہاجرین کو عزت دار لوگ۔ چنانچہ اس نے موت کے خوف سے اقرار کیا کہ ہم کمینہ اور مسلمان باعزت شخصیات ہیں۔ تب اپنے شہر میں اسے داخلہ کی اجازت ملی یہ ہے حب فی اللہ اور عداوۃ فی اللہ کا جذبہ کہ اللہ و رسول کی ناموس کی خاطر بیٹے کی نظر میں باپ ہونے کے خونی رشتہ کی وقعت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ محبت و عداوۃ میں جب کسی ایک کو منتخب کرنے کا موقع آیا تو اسلامی للھی محبت کو ترجیح دی۔

ذاتی جذبہ انتقام کی وجہ سے درگذر: غالباً ایک معرکہ میں شیر خدا علی المرتضی کا ایک کافر سے آمنا سامنا ہوا۔ آپس میں دست و گریبان ہو کر کافر کو حضرت علی نے زمین پر پٹخ کر اس کے سینہ پر بیٹھ گئے خنجر نکال کر کافر کو واردجہنم کر رہے تھے کہ کافر نے (نعوذ باللہ) نیچے سے حضرت علیؓ کے چہرۂ اقدس پر تھوکنے کی ناپاک کوشش کی۔ کافر کے اس حرکت سے فورا حضرت علیؓ اسکے سینہ سے ہٹ کر خنجر واپس اپنی جگہ رکھدیا۔ کافر کے پوچھنے پر آپ نے فرمایا۔ جس عداوۃ کی وجہ سے میں تمہیں مار رہا تھا وہ اللہ کے حکم کے خالصہ وجہ اللہ تھا۔ اب تمہارے میرے چہرہ پر تھوکنے سے یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ تمہارے اس ہتک سے تمہیں مارنے میں کہیں میرا ذاتی جذبہ انتقام شامل ہو کر عداوۃ فی اللہ کا روح باقی نہ رہے جس

کے لئے تمہیں زندہ چھوڑ رہا ہوں۔

<u>**ترجیحات محبت وعداوت؟**</u> آپ اور ہم سب کیلئے لمحۂ فکریہ ہے کہ آج ہمارے محبتوں اور عداوتوں کے ترجیحات کیا ہیں اگر کسی سے دوستی ہے تو اسکے تہہ میں کیا بات ہے اگر کسی سے دشمنی ہے تو اس میں کیا راز پوشیدہ ہیں اگر کسی کافر سے ہمارے دنیاوی منافع واغراض حاصل کرنے کی امیدیں وابستہ ہیں تو اسکے سامنے سر تسلیم خم کر کے اس کے ناپاک قدموں میں اپنے عزت، وقار اور اسلامی غیرت کو نچھاور کرنا اپنا اولین فرض سمجھتے ہیں اور کسی مسلمان سے دنیاوی مال ومتاع جسے اللہ تعالیٰ نے "قل متاع الدنیا قلیل" فرمایا حصول کی توقع نہیں تو اسے اپنا ازلی دشمن سمجھا جاتا ہے۔ نتائج آپ کے سامنے ہیں کہ جن نفوس قدسیہ نے محبت اور دشمنی میں اللہ کی رضامندی کو مقدم سمجھا انہوں نے دنیا میں اسلام کی عظمت، مسلمانوں کے سربلندی اور غلبہ کے جھنڈے گاڑ دئے اور دوسرے طرف ہم ہیں کہ ہمارے دوستی اور دشمنی کی بنیاد معمولی مفادات، خودغرضی، رسم ورواج پر قائم ہیں جسکی وجہ سے آئے روز ہم دینوی واخروی دلدل میں پھنستے جا رہے ہیں۔ فاسق وفاجر حتیٰ کہ غیر مسلم صاحب ثروت واقتدار شخص سے ہاتھ ملا کر ہم فخر سے معاشرہ میں اپنے آپ کو معزز وشریف کہلوانے کیلئے تگ ودو کیلئے تو ہر وقت مصروف رہتے ہیں اور جس سے ملنے اور دوستی کا حکم ہمیں ہمارے محبوب نبی پیغمبر انقلاب نے دیا ہے اس سے بالکل غافل ہیں۔

<u>**دوست بنانے سے قبل غور وفکر:**</u> رحمۃ للعالمین ﷺ کا ارشاد ہے۔ **عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ المرء علی دین خلیلہ فلینظر احد کم من یخالل رواہ الترمذی** (ترجمہ) حضرت ابوھریرہ روایت کر رہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہر انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے لہٰذا دوستی کرنے سے پہلے غور وفکر کرلو کہ کس سے دوستی کر رہے ہو۔

محترم حضرات عام طور پر انسانی فطرت ہے کہ جس سے دوستی کرتا ہے اٹھتا بیٹھتا ہے اس کے معاشرت آداب واطوار کو اپنا کر اسکا رنگ اسپر بھی چڑھ جاتا ہے۔ بہرحال ابھی تک بیان کردہ وعظ کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ رضوان علیہم اجمعین نے اللہ ورسول کے احکامات کی تعمیل میں راستوں میں اپنی ہر خواہش، اولاد ومال متاع کو لات مار کر اللہ کی رضا حاصل کی۔ اگر ایسے مزید واقعات کا ذکر تفصیل سے کرنا شروع کر دوں تو ہفتوں مہینوں میں بھی حق ادا نہ ہو سکے گا۔ صحابہ کی انہی قربانیوں کے بدولت رب العزت نے دنیا میں رفعت وکامرانی سے نوازا۔ اور آخرت کی خوشخبری بھی رب العزت نے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کی صورت میں عطا فرمائی۔ مالک کون ومکان ہمیں بلکہ تمام امت مسلمہ کو اللہ کی خوشنودی کیلئے محبت اور اسی کی خاطر دشمنی کی ہمت وتوفیق عطا فرمائے۔ امین

میں جو داستانیں مشہور تھیں جبرئیل ان سب کو محمد کے سامنے بیان کر دیا کرتے تھے۔'۳؎ جبکہ' گولڈ زیہر' کے مطابق:' نبی عربی کا پیغام دراصل ان مذہبی خیالات اور معلومات کا منتخب خلاصہ تھا جو آپ کو یہودی اور عیسائی حلقوں سے روابط کی بنا پر حاصل ہوئیں۔ ان خیالات سے آپ بہت زیادہ متاثر ہوئے اور دل میں خیال پیدا ہوا کہ ان کے ذریعہ اپنے ہم وطنوں میں سچے مذہبی جذبات کو بیدار کیا جا سکتا ہے۔ یہ بیرونی تعلیمات آپ کے وجدان میں سرایت کر گئیں اور آپ سمجھنے لگے کہ رضائے الٰہی کے مطابق ان کے ذریعہ انسانی زندگی کو ایک رنگ دیا جا سکتا ہے۔ محمد اس قسم کے خیالات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ آپ کا عقیدہ بن گئے، لیکن آپ ان کو وحی سمجھتے رہے۔'۴؎ جارج سیل' نے تو یہاں تک مفروضہ گھڑا ہے کہ 'قرآن کے مصنف یا اس کتاب کو اختراع کرنے والے محمدؐ ہیں۔ اگرچہ اس بات کا غالب امکان موجود ہے کہ اس منصوبے میں ان کو دوسرے لوگوں سے جو مدد ملی وہ کم نہ تھی۔ جیسا کہ ان کے اہل وطن نے ان پر یہ اعتراض کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ البتہ ان کو اس قسم کی مدد مہیا کرنے والے مخصوص شخص کے تعین میں ان کے مفروضے باہم اتنے متضاد تھے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ محمد کے خلاف اس الزام کو ثابت نہ کر سکے، یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ محمد نے اس معاملے کو خفیہ رکھنے کے لیے اتنے عمدہ اقدامات کیے کہ ان کی وجہ سے اس راز کا انکشاف ممکن نہ تھا۔'۵؎

اس طرح کے نہ معلوم کتنے اعتراضات ہیں جو مستشرقین اور خاص طور سے مغربی دانش وروں نے قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے سلسلے میں کیے ہیں۔ ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ عیسائیوں کے عظیم پیشوا ہوں یا یہودیوں کے علم بردار، یا پھر مستشرقین کا گروہ۔ سب نے قرآن کو موضوع بحث بنایا ہے۔ ان لوگوں نے جتنی کوشش قرآن کو سمجھنے کی کی اپنی الہامی کتابوں کے افہام و تفہیم کے لیے نہ کی ہو گی۔ اس کام کو بہتر طریقے سے انجام دینے کے لیے ان لوگوں نے باضابطہ عربی زبان وادب کو سیکھا اور اسلامی علوم کا مطالعہ کیا۔ چنانچہ پہلے ان لوگوں نے یہ کہا کہ وحی کوئی چیز نہیں۔ نہ صرف اس کا انکار کیا بلکہ وحی کا مذاق اڑانے کے لیے طرح طرح کی کہانیاں بیان کی گئیں، کبوتر کا افسانہ اور بیماری کی داستانیں اسی تمسخر کی کڑیاں ہیں۔۶؎

قرآن مجید اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے: کفار مکہ قرآن کو نہ کلام الٰہی مانتے تھے اور نہ ہی قرآن جیسی کوئی کتاب یا سورت یا چند آیات پیش کرنے پر قدرت رکھتے تھے، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ محمد کیا ہیں، کیا مطالبات کر رہے ہیں اور جو کچھ پیش کر رہے ہیں وہ ان کا اپنا ہے یا خدا کی طرف سے وحی کردہ ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے دل کی کدورت کا بھانڈا پھوڑا اور انہیں کلام الٰہی کا یقین دلاتے ہوئے فرمایا: "أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ بَل لَّا يُؤْمِنُونَ. فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ." (الطور:۳۳-۳۴) (کیا یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ قرآن خود گڑھ لیا ہے، اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان لانا نہیں چاہتے، اگر یہ اپنے اس قول میں سچے ہیں تو اسی شان کا ایک کلام بنا لائیں۔)

کفار مکہ کے مقاصد کی تکمیل نہ ہوئی تو آخر میں ان لوگوں نے یہ بات مشہور کی کہ نبیؐ جو کچھ کہتے اور جسے اللہ کا کلام

بتاتے ہیں، من گھڑت ہے اور اصل یہ ہے کہ انہوں نے اہل کتاب کے فلاں فلاں عالموں سے اخذ کیا ہے اور انہیں کے سکھانے پڑھانے پر یہ کلام پیش کر رہے ہیں۔ کفار کی اس دروغ گوئی اور بہتان تراشی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: "وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هٰذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاؤُوا ظُلْماً وَزُوراً . وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلاً. قُلْ أَنزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ غَفُوراً رَّحِيماً." (الفرقان:۴-۶)

(جن لوگوں نے نبی کی بات ماننے سے انکار کردیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ فرقان ایک من گھرت چیز ہے، جسے اس شخص نے آپ ہی گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے۔ بڑا ظلم اور سخت جھوٹ ہے جس پر یہ لوگ اتر آئے ہیں۔ کہتے ہیں یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں جنہیں یہ شخص نقل کراتا ہے اور وہ اسے صبح وشام سنائی جاتی ہے۔ اے نبیؐ ان سے کہو کہ اسے نازل کیا ہے اس نے جو زمین اور آسمانوں کا بھید جانتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا غفور رحیم ہے۔)

ایک اور مقام پر اسی بات کو مختصر انداز میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُون." (الدخان:۱۴)

(پھر انہوں نے رسول کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگے یہ تو سکھایا ہوا مجنون ہے۔)

عربی الہامی اور آفاقی زبان ہے۔ اس کی آواز کانوں تک پہنچتے ہی لوگ اس کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں۔ اس کا استعمال پوری دنیا میں کسی نہ کسی طرح ہوتا ہے۔ مگر جس انداز اور سلیقے سے اہل عرب اسے بولتے ہیں عجمی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ چنانچہ کفار ومشرکین کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ کتاب عربی زبان میں ہی کیوں نازل ہوئی۔ کسی عجمی زبان میں نازل ہوتی تو واقعی ہم سمجھتے ہیں کہ یہ کتاب محمدؐ پر نازل ہوئی ہے۔ ان کے اس اعتراض کا بھی جواب اللہ تبارک وتعالیٰ نے دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا: "وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ . نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ . عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ). بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ . وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ . أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ . وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَى بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ . فَقَرَأَهُ عَلَيْهِم مَّا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ." (الشعراء:۱۹۲-۱۹۹) (یہ رب العالمین کی نازل کردہ چیز ہے۔ اسے لے کر تیرے دل پر امانت دار روح اتری ہے، تاکہ تو ان لوگوں میں شامل ہوجائے جو (خدا کی طرف سے خلق کو) متنبہ کرنے والے ہیں۔ صاف صاف عربی زبان میں اور اگلے لوگوں کی کتابوں میں بھی موجود ہے) کیا ان (اہل مکہ) کے لیے یہ کوئی نشانی نہیں ہے کہ اسے علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں۔ (لیکن ان کی ہٹ دھرمی کا حال تو یہ ہے کہ) اگر ہم اسے کسی عجمی پر بھی نازل کر دیتے (اور یہ فصیح عربی کلام) وہ ان کو پڑھ کر سناتا تب بھی یہ مان کر نہ دیتے۔)

قرآن کا دعویٰ کہ وہ کلام الٰہی ہے: جب نبیؐ کی بعثت ہوئی اور آپ نے تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دیا تو جن کے دل پہلے سے حق کو قبول کرنے کے لیے تیار تھے وہ بغیر کسی تذبذب کے آپ کی رسالت پر ایمان لے آئے۔ مثلاً حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن حارثہؓ اور دوسرے صحابہ۔ ایسی بات نہ تھی کہ ان کے قبول اسلام کا اثر معاشرہ پر نہ پڑا ہوگا اور ان کی رغبت کسی نہ کسی درجہ میں اسلام سے نہ ہوئی ہوگی۔ مگر چوں کہ ایسا کرنے سے ان کے مفادات مجروح ہو رہے تھے، اس لیے سرے سے انہوں نے نبوت کا انکار کر دیا اور قرآن کی مخالفت کرنے لگے۔ جس طرح سے انہوں نے کلام الٰہی کی تکذیب کی، سب کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ اللہ نے انہیں نبی کے ذریعہ ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی۔ اس نصیحت کا ان پر اثر بھی ہوا، لیکن جن لوگوں نے اپنی ضد کو ہی سب کچھ سمجھا، اسے اللہ تعالیٰ نے حرف آخر کے طور پر قرآن کی صداقت کا بھی یقین دلایا اور ان کے سامنے دلائل کے انبار لگا دیئے، تا کہ وہ خود فیصلہ کر سکیں کہ حقیقت کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "إِنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدَى فَلِنَفْسِهِ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ." (الزمر:۴۱) (اے محمدؐ، ہم نے تم پر یہ کتاب لوگوں کے لیے حق کیساتھ نازل کی ہے۔ اب جو ہدایت قبول کرے گا اپنے ہی بھلے کیلئے کریگا اور جو گمراہ ہوگا اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا، تم اس کے ذمہ دار نہیں ہو۔)

"وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ. نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ. عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ." (الشعراء:۱۹۲-۱۹۵) (اور بلا شبہ یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے، اسے لے کر ایک امانت دار روح تمہارے قلب پر اتری ہے، تا کہ (اے محمد) تم منذرین (خلق خدا کو خبردار کرنے والے انبیاء) میں سے ہو جاؤ، صاف صاف عربی زبان میں۔)

قرآن کا چیلنج پوری دنیا اور قیامت تک کیلئے ہے: اگر کفار مکہ نے قرآن کریم کو من گھڑت کلام سے تعبیر کیا تو خود باری تعالیٰ نے اس مقدس کتاب میں مختلف مقامات پر اس کا جواب دے کر ان کے فاسد خیالات و نظریات کو طشت از بام کر دیا۔ اسی کے ساتھ انہیں اس بات کی بھی اجازت دی کہ اگر واقعی تم اپنے دعوے میں سچے ہو اور تم بھی نبی کی طرح ایک انسان ہو، عقل و فہم رکھتے ہو، اپنی زبان دانی پر ناز ہے تو اس جیسا کلام تیار کر کے پیش کر کے دکھاؤ۔ (القصص:۴۹/ یونس:۳۸) قرآن مجید کے اس چیلنج کو مزید وسیع کریں تو مغربی دنیا پر بھی یہ بات فٹ آتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے معترضین کی درماندگی اور بے بسی کا بھی خیال رکھا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ کسی پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ (البقرہ:۲۸۶) اس لیے ان سے یہ بھی کہا کہ تم پوری کتاب تصنیف کرنے پر قدرت نہیں رکھتے تو پھر اس جیسی دس سورتیں ہی بنا کر پیش کر دو:

"أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ

صَادِقِیْنَ۔" (ہود:۱۳) (کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ کتاب خود گڑھی ہے، کہو اچھا یہ بات ہے تو اس جیسی گڑھی ہوئی دس سورتیں بنالاؤ اور اللہ کے سوا جس کو چاہو اپنی مدد کے لیے بلالو، اگر تم سچے ہو۔)

ایک دوسرے موقع پر فرمایا گیا: "وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُواْ بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُواْ شُهَدَاءكُم مِّن دُونِ اللّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ. فَإِن لَّمْ تَفْعَلُواْ وَلَن تَفْعَلُواْ فَاتَّقُواْ النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ۔" (البقرہ:۲۳-۲۴)

(اور اگر تمہیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے، یہ ہماری ہے یا نہیں، تو اس کے مانند ایک ہی سورت بنالاؤ۔ اپنے سارے ہم نواؤں کو بلالو، ایک اللہ کو چھوڑ کر باقی جس کی چاہو مدد لے لو، اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر کے دکھاؤ، لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا اور یقیناً کبھی نہیں کر سکتے، تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر جو مہیا کی گئی ہے منکرین کے حق کے لیے۔)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر موقع پر کفار ومشرکین کی رعایت کی۔ مگر وہ کہیں بھی اپنے دعویٰ کے استحکام کے لیے دلیل پیش نہ کر سکے۔ چنانچہ اب اللہ تعالیٰ نے ان کے بے بسی اور کمزوری کا پردہ فاش کیا اور فرمایا:

"قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَن يَأْتُواْ بِمِثْلِ هَـذَا الْقُرْآنِ لاَ يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا۔" (بنی اسرائیل:۸۸)

(کہہ دو کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لاسکیں گے، چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔)

قرآن کو کلام الٰہی سمجھنے کے باوجود انکار: کفار مکہ قرآن کے متعلق جو اعتراض کرتے تھے، وہ ان کی جہالت یا ہٹ دھرمی تھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ نبی کا دین پھلے پھولے۔ اس لیے انہوں نے اس کی مخالفت کی۔ باوجود اس کے کفار مکہ قرآن کے اعجاز والفاظ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ انہوں نے اسے، شاعری، ساحری، من گھڑت، سیکھا سکھایا کلام، سابقہ کتابوں سے اقتباس، کیا نہیں کہا۔ مگر اس کلام ربانی کو سننے کے لیے بعض وقت وہ بے تاب ہو جاتے اور نہ چاہنے کے باوجود چھپ چھپا کر اسے سنتے تھے۔ محفلوں میں آتے تو مخالفت کرتے "اس قرآن کو نہ سنو اور جب یہ پڑھا جائے تو شور وغل کرو"۔ (فصلت:۲۶) مگر تنہائی میں قرآن کے الفاظ ومعنی اور اعجاز پر غور کرتے تو یہی نتیجہ اخذ کرتے یہ واقعی یہ اللہ کا کلام ہے، کسی انسان کا کلام نہیں۔

سفیان بن حرب، ابوجہل، اخنس بن شریق اور ابن وہب ثقفی کے متعلق یہ روایت ملتی ہے کہ یہ سب راتوں کو چھپ کر قرآن سنتے تھے اور جب واپسی میں کسی مقام پر ان کی ملاقات ہو جاتی تو ایک دوسرے پر لعنت وملامت کرتے اور آئندہ کبھی قرآن نہ سننے کا وعدہ کرتے، مگر اگلی رات پھر یہی صورت حال پیش آتی۔ آخر میں ان

لوگوں نے قرآن کے متعلق یہی فیصلہ کیا کہ واقعی یہ اللہ کا کلام ہے، کسی انسان کا نہیں ہے۔ پھر بھی ہم اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ ۸ دوسری طرف کفار مکہ کی مخالفت کا یہ عالم تھا کہ حج کے موقع پر ولید بن مغیرہ نے کفار کے معزز لوگوں کو جمع کیا اور کہا لوگو! حج کا زمانہ قریب ہے، یہاں باہر سے بہت سارے لوگ آئیں گے۔ چوں کہ محمدؐ کی باتیں دور دور تک پھیل چکی ہیں، وہ ان کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہیں گے، اس لیے بہتر ہے کہ ہم سب کسی ایسی بات پر متفق ہو جائیں جسے سب یکساں طور پر بیان کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اختلاف بیان کی وجہ سے وہ ہماری تکذیب کرنے لگیں اور اس طرح ہمارا وقار مجروح ہو جائے۔ لوگوں نے کہا اے سردار آپ معمر اور تجربہ کار ہیں، آپ ہی کوئی ایسی بات بتائیں جسے ہم لوگوں کے سامنے بیان کریں گے۔ ولید نے کہا پہلے تم لوگ اپنی اپنی باتیں بیان کرو کہ کیا کہو گے۔ اگر وہ غیر مناسب ہوئیں تو ہم بتائیں گے۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا کہ ہم انہیں کاہن کہیں گے۔ اس کا رد کرتے ہوئے ولید نے کہا ایسی بات نہیں ہے وہ کاہن نہیں ہیں، میں نے کاہنوں کا کلام دیکھا ہے، ایسی اثر آفرینی کاہن کے کلام میں نہیں ہوتی۔ دوسرے نے کہا ہم اسے مجنون کہیں گے۔ اس کے جواب میں ولید نے کہا وہ مجنون بھی نہیں ہیں، ہم پاگلوں کے کلام سے خوب واقف ہیں، محمد بہکی بہکی باتیں نہیں کرتا ہے اور نہ غیر شائستہ حرکات کا ارتکاب کرتا ہے۔ پھر لوگوں نے کہا ہم اسے شاعر کہیں گے۔ ولید نے کہا وہ شاعر بھی نہیں ہیں، ہم شاعروں کے کلام سے خوب واقف ہیں، ان کے کلام میں شاعری کی کوئی چیز نہیں۔ پھر لوگوں نے کہا ہم اسے جادوگر کہیں گے۔ ولید نے اس کی بھی نفی کی اور کہا کہ محمد ایسا کوئی کام نہیں کرتے کہ ان پر جادوگر کا اطلاق کیا جا سکے۔ اب لوگوں نے کہا کہ اگر ایسا کچھ نہیں کہہ سکتے تو پھر اے سردار، ہم ان کے متعلق کیا کہیں وہ آپ ہی بتائیں۔ اب ولید نے اپنا حتمی فیصلہ سنایا:

''اللہ کی قسم محمدؐ جو کلام پیش کرتے ہیں اس میں ایک طرح کی شیرینی ہے اور اس کی جڑیں پھیلی ہوئی اور مستحکم ہیں اور اس کی شاخیں ثمر دار ہیں۔ ان میں سے جو باتیں تم کہو گے اس سے تمہارا جھوٹ واضح ہو جائے گا۔ ہاں صحت سے قریب بات جو تم محمدؐ کے بارے میں کہہ سکتے ہو وہ یہ کہ تم ان کے بارے میں یہ کہو کہ یہ شخص جادوگر ہے اور جادو بھرا کلام لے کر آیا ہے، جس کے ذریعے وہ اپنوں کو اپنوں سے بیگانہ اور خاندان کو خاندان سے جدا کر دیتا ہے''۔ ۹

ایک مرتبہ نبی اکرمؐ حرم میں ایک طرف تنہا بیٹھے ذکر اللہ میں مشغول تھے۔ عتبہ بن ربیعہ سرداران قریش سے مشورہ کرنے کے بعد حضورؐ کی خدمت میں پہنچا اور اپنا مدعا ظاہر کیا اور یہ پیش کش بھی کی کہ اس کے عوض آپ جو کچھ بھی طلب کریں ہم پورا کر دیتے ہیں۔ اس کی گفتگو کو سننے کے بعد آپؐ نے سورہ حٰم سجدہ کی تلاوت فرمائی۔ عتبہ اسے بغور سنتا رہا، یہاں تک کہ نبیؐ جب آیت سجدہ پر پہنچے تو سجدہ کیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: اے ابوالولید آپ نے میری باتوں کو سن لیا، اب آپ جانیں اور وہ لوگ۔ عتبہ وہاں سے اٹھا اور سیدھا قریش کی مجلس میں پہنچا۔ اسے دیکھتے ہی لوگوں نے کہا، عتبہ وہ نہیں ہے جو حضور کے پاس جاتے وقت تھا۔ لوگوں نے کہا عتبہ بتاؤ کیا خبر لائے ہو۔ اس نے کہا:

''میں نے ایسی بات سنی ہے کہ واللہ کبھی نہیں سنی، واللہ وہ نہ شعر ہے، نہ جادو اور نہ کہانت۔ اے گروہ قریش میری بات سنو اور اس کام کو میری رائے کے موافق کرو، اس شخص کو اسی کی حالت پر چھوڑ دو اور اس سے الگ رہو، کیوں کہ واللہ اس کی جو بات میں نے سنی ہے اسے بڑی اہمیت حاصل ہوگی۔ اگر عربوں نے اس کا خاتمہ کر دیا تو سمجھ لو انہوں نے تمہیں اس سے بے نیاز کر دیا اور اگر اس نے عربوں پر غلبہ حاصل کر لیا تو اس کی حکومت تمہاری حکومت ہوگی، اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی''۔[۱۰]

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین قرآن کو اللہ کا کلام ہی مانتے تھے۔ مگر ایک ضد تھی جسے تعارف جاہلانہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا بہر حال انکار کرنا ہے، تاکہ نبیؐ اپنے انبیائی مشن سے باز آجائیں۔[۱۰]

تمام کوششوں کے بعد قرآن کا بدل تیار نہ کر سکے:

کفار مکہ کے سامنے جب خود باری تعالی نے چیلنج کیا کہ تم اس جیسا کلام پیش کرو تو انہوں نے اپنے طور پر اس کا جواب تیار کرنے کی کوشش کی۔ بڑی مشکل سے طویل سورتوں کے بجائے مختصر سورتیں تحریر کیں۔ پھر بھی ان کی یہ سعی نامبارک صرف جگ ہنسائی کا موجب ہوئی اور فضیحت و رسوائی کا ساز و سامان۔

عرب کے مشہور شاعر لبید بن ربیعہ کو اپنی زبان دانی اور مقفی و مسجع کلام کہنے پر بڑا ناز تھا۔ ایک مرتبہ اس کے کلام کا کچھ حصہ لوگوں نے خانہ کعبہ میں لٹکا دیا۔ اس کے کچھ ہی دن بعد کسی مسلمان نے قرآن مجید کی چند آیات لکھ کر اس کے برابر میں لٹکا دیں۔ دوسرے دن اس کا گزر ادھر سے ہوا تو دیکھا کہ میرے کلام کے بغل میں کس کی تحریر لٹکی ہوئی ہے۔ وہ قریب گیا اور قرآنی آیات کو بار بار پڑھنے لگا۔ بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہو سکتا۔ جب وہ اسلام کی دولت سے مالا مال ہو گئے اور خلافت فاروقی کا زمانہ آیا تو وہ حضرت عمرؓ نے شعر کہنے کو کہا۔ اس پر انہوں نے کہا سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کی آیات کے سامنے سارے شعر بے وزن معلوم ہوتے ہیں۔[۱۲] یعنی اب شعر و شاعری میں کوئی مزہ ہی نہ رہا۔

ابو محمد بن مسلم نحوی فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ اعجاز قرآن پر گفتگو کر رہے تھے۔ ایک عمر رسیدہ اور بہت بڑا صاحب کمال شخص میرے قریب بیٹھا تھا۔ اس نے کہا قرآن مجید میں ایسی کوئی امتیازی خوبی اور اعجازی شان نہیں کہ فضلا اس کو اپنے کلام میں پیدا نہ کر سکیں۔ اس نے وعدہ کیا ایسا کلام میں تین دن میں تیار کر سکتا ہوں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے مطالعہ کے کمرے میں اس کام کو انجام دینے کے لیے کے بیٹھ گیا۔ تین دن بعد لوگوں کو تجسس ہوا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اس نے حسب وعدہ اب تک قرآن کا بدل تیار کر کے پیش نہیں کیا۔ لوگ اس کا حال دریافت کرنے کے لیے گئے۔ دیکھا کہ وہ آدمی دیوار سے ٹیک لگائے خشک تنے کے مانند بیٹھا ہے، اس کا قلم گھس چکا ہے اور روشنائی خشک ہو چکی ہے اور پھٹے ہوئے کاغذوں کا ڈھیر اس کے گرد جمع ہے۔[۱۳] بعد کے عہد میں بھی کچھ لوگوں نے اس طرح کی ناکام

کوششیں کی ہیں، ان میں عبداللہ ابن مقفع کا نام مشہور ہے۔ مگر تمام ہی لوگ ناکام ہوئے اور آخر میں یہی فیصلہ کیا کہ کلام الٰہی کے مماثل دوسرا کلام تیا نہیں کیا جاسکتا۔ یہ باتیں اس کی صداقت اور منزل من اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ ابن جوزی لکھتے ہیں: ''اگر یہ اطمینان اور تسلی کرنا چاہو کہ قرآن مجید نبی اکرمؐ کا اپنا ذاتی کلام نہیں ہے، بلکہ صرف اور صرف وحی الٰہی ہے جو ان پر نازل کی گئی ہے تو آپ کا کلام اقدس حدیث مبارک میں دیکھو، اس میں اور کلام مجید میں کتنا فرق ہے اور دونوں کلاموں اور ان کے اسلوب بیان اور انداز کلام میں کتنا واضح اور بین تفاوت ہے اور یہ امر نا قابل تردید حقیقت ہے کہ ایک ہی شخص خواہ جتنی بھی اسلوب میں تبدیلی اور تغیر کی کوشش کرے لامحالہ تشابہ اور تماثل پایا جائے گا اور بالکل تباین و تغایر کا پایا جانا ممکن نہیں ہوگا، حالاں کہ آں حضرتؐ کے کلمات طیبات میں سے ایک کلمہ بھی قرآن مجید کے مشابہ نہیں ہے۔''[۱۴]

قرآن نے کفار مکہ کے دلوں کی دنیا بدل دی: کفار مکہ کو کلام الٰہی کی بے وقعتی ثابت کرنے کی دھن تھی، اس لئے اوٹ جو پٹانگ باتیں ذہن میں آجاتیں کہہ دیتے تھے۔ لیکن سب نے دیکھا کہ اسی کلام الٰہی کے سامنے بالآخر وہ سجدہ ریز ہوئے۔ بلکہ عرب کے جتنے بڑے بڑے لوگ تھے اور جن کا شمار خطباء، شعرا اور انشا پردازوں میں ہوتا تھا، قرآن کی تعلیمات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

حضرت عمرؓ شروع میں اسلام کے شدید ترین دشمن تھے۔ نعوذ باللہ ایک دن محمدؐ کے قتل کا ارادے سے نکلے، راستے میں خبر ملی کہ ان کے بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔ اس خبر نے تھوڑی دیر کے لیے ان کے ارادہ کو ملتوی کر دیا۔ گھر پہنچے تو دیکھا کہ اندر قرآن کی تلاوت کی جارہی ہے۔ بہن بہنوئی کے درمیان تھوڑی دیر گرما گرمی رہی، اس کے بعد عمر کے اندر داعیہ پیدا ہوا کہ ہم نے ان لوگوں کے ساتھ جو نازیبا حرکت کی ہے، واقعی وہ اس کے مستحق تھے بھی کہ نہیں۔ آخر میں انہوں نے بہن سے کہا کہ وہ چیز مجھے سناؤ جس کی تم تلاوت کررہی تھی۔ بہن نے سورہ طٰہٰ کی تلاوت کی۔ ابھی چند آیتوں کی ہی تلاوت ہوئی تھی کہ دل پانی پانی ہوگیا اور اسلام قبول کرنے کے لیے بے چین ہوگئے۔ خدمت اقدسؐ میں حاضر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوئے۔[۱۵] حضرت ابوذر غفاریؓ نے ایک مرتبہ اپنے بھائی کو بھیجا کہ وہ حضورؐ کے حال کی تحقیق کرکے آئیں۔ ان کے بھائی کا شمار عرب کے باکمال شعرا میں ہوتا تھا۔ انہوں نے حضور کے کلام کو سن کر اپنے بھائی سے کہا ابوذر لوگ ان کو کاہن وشاعر کہتے ہیں، لیکن ان میں ایسی کوئی چیز نہیں۔ اس کے بعد حضرت ابوذر غفاریؓ آئے اور کلام الٰہی کو سننے کے بعد اسلام قبول کرلیا۔ ان کے اسلام قبول کرتے ہی آدھا قبیلہ اسی وقت مسلمان ہوگیا۔[۱۶] حضرت عثمان بن مظعونؓ کے قبول اسلام کا واقعہ بھی سورہ نحل کی آیتیں سننے کے بعد پیش آیا۔ جس مجلس میں حضرت عثمانؓ نے اسلام قبول کیا اسی مجلس میں عبیدہ بن جراح عبدالرحمٰن بن عوف اور ابوسلمہؓ نے بھی اسلام قبول کیا۔[۱۷] جبیر بن مطعمؓ نے حالت کفر میں آں حضرتؐ کو سورہ طور پڑھتے سنا، جب آیت ۳۵-۳۷ پر پہنچے

تو خود جبیر کا بیان ہے کہ مجھ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل اڑنے لگا۔۱۸ طفیل بن عمرو دوسیؓ کو کفار مکہ نے اس حد تک ورغلایا کہ انہوں نے کانوں میں کپڑا ٹھونس لیا کہ مبادا محمدؐ کی آواز میرے کانوں تک نہ پہنچے۔ لیکن اتفاقاً مسجد حرام سے گزرے تو دیکھا کہ محمدؐ نماز پڑھ رہے ہیں، نہ چاہنے کے باوجود انہوں نے کلام الٰہی کو سنا اور اس سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بالآخر اسلام قبول کر کے ہی اپنے گھر لوٹے اور اپنے باپ اور بیوی کو بھی مسلمان بنالیا۔۱۹ خالد عدوانیؓ جو طائف کے رہنے والے تھے، انہوں نے ایک موقع سے سورہ طارق سنی تو اس قدر متاثر ہوئے کہ حالت کفر میں پوری سورہ یاد کرلی ، بعد میں اسلام قبول کیا۔۲۰ طائف سے ناامید ہو کر آپ لوٹ رہے تھے اور طائف والوں کی ایذا رسانی سے تکلیف برداشت کرنے کی آپ میں تاب نہ رہی تو آپؐ ایک باغ میں پہنچے وہاں ایک نصرانی غلام رہتا تھا، اس نے کھجور کے خوشے آپ کو دیئے تاکہ آپؐ اپنی بھوک کی شدت ختم کریں۔ آپ نے اسے تناول فرمایا تو پہلے بسم اللہ پڑھا، غلام آپ کی صورت دیکھنے لگا اور کہا واللہ یہ بات تو ایسی ہے کہ یہاں کی بستیوں کے لوگ نہیں جانتے۔ اس کے بعد کچھ گفت و شنید ہوئی، آپ کی باتوں سے وہ اس قدر متاثر ہوا کہ وہ آپ کا سر ہاتھ اور پاؤں چومنے لگا۔۲۱ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے گھر کے ایک کونے میں ایک مسجد بنائی تھی، اس میں وہ نماز ادا کیا کرتے تھے، نماز میں بلند آواز سے قرآن کی قرآت کرتے تھے، جس کو سننے کے لیے محلّے کے نوجوان، بچے، بوڑھے، عورت مرد سب جمع ہو جاتے اور آپ کی اس ہیئت وکیفیت کو حسرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ قریش کے چند نوجوانوں کو یہ منظر ایک آنکھ نہ بھایا، انہوں نے حضرت ابوبکر کو منع کیا اور کہا کہ تم بلند آواز سے قرآن کی تلاوت نہ کرو، ہمیں خوف ہے کہ کہیں یہ لوگ اسلام میں نہ داخل ہو جائیں۔۲۲ انصار جب اول اول مقام عقبہ میں اسلام لائے تو قرآن کی اثر انگیزی سے متاثر ہوئے اور اسلام لائے۔۲۳ نجاشی شاہ حبشہ بھی قرآنی آیات سن کر اسلام سے حد درجہ متاثر ہوا۔۲۴ اسی طرح حبشہ کے ہی کوئی ۲۰ عیسائی حضرت محمدؐ کی نبوت کی شہرت سن کر مکہ تشریف لائے اور بارگاہ نبوی میں حاضری دی، اللہ کے رسولؐ نے ان کے سامنے قرآن مجید کی آیت تلاوت کی تو وہ اس سے بہت متاثر ہوئے اور اسی وقت اسلام لے آئے۔ ان کے اس عمل پر ابوجہل بن ہشام و۔۔۔ مرے قریشی لوگوں نے ان کو لعنت وملامت کی، اس کے جواب میں انہوں نے کہا تم اپنے دین پر رہو ہم اسلام پر ہیں اور جہالت میں ہم تمہارا مقابلہ کرنا نہیں چاہتے۔۲۵

قرآن مجید حضورؐ کا کلام ہوتا تو اس میں انکی گرفت نہ ہوتی: نبی اکرمؐ کو کلام الٰہی کا پیغامبر بنا کر بھیجا گیا تھا، آپ سے پہلے بھی جتنے انبیاء آئے ان کا بھی یہی کام تھا۔ وہ اپنی طرف سے اس میں کچھ بھی حذف واضافہ نہیں کرسکتے تھے اور نہ ایسی بات پیش کرنے کے مجاز تھے جو منشائے الٰہی کے خلاف ہو۔ چنانچہ نبی اکرمؐ کے متعلق جو خرافات منسوب کی گئیں، اس کی تردید کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ''وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ. لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ. فَمَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ.'' (الحاقۃ:۴۴-۴۷)

(اور اگر یہ (نبی) خود گھڑ کر کوئی بات ہماری طرف منسوب کر دیتا تو ہم دائیں ہاتھ سے پکڑ کر اس کی رگ گردن کاٹ دیتے، پھر تم میں سے کوئی اس میں حائل ہونے والا نہ ہوتا۔)

قرآن مجید کے الہامی کتاب ہونے کی بڑی واضح دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں کئی مقامات پر براہ راست حضورؐ کی بعض چیزوں کے تعلق سے گرفت کی گئی ہے اور انہیں ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ مثلاً آپ کے چچا ابو طالب قریب المرگ تھے۔ آپؐ آخر وقت میں ان سے کہتے ہیں کہ چچا اب بھی وقت ہے میری نبوت کا اقرار کر لیجئے میں قیامت میں آپ کی سفارش کا مجاز ہو جاؤں گا۔ یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اس کا آپ کو بہت قلق ہوا۔ نبیؐ کے اس فعل پر اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا اور فرمایا اے نبی تمہارا کام حق کو پہنچا دینا ہے، کون ہدایت قبول کرے گا اور نہ کرے گا، اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔ (القصص: ۵۶) اسی طرح ایک موقع پر آپ نے اپنے اوپر شہد حرام کر لیا تھا۔ اس وقت اللہ نے فرمایا: جس چیز کو اللہ نے حلال کر دیا ہے، اسے آپ حرام نہیں کر سکتے۔ (التحریم: ۱) عبداللہ بن ابی منافق کی نماز جنازہ پڑھانے کے بعد اللہ نے آپ سے فرمایا: تم ان کی استغفار کی دعاء کرو گے بھی تو ایسے منافقین کو بخشا نہ جائے گا۔ (التوبہ: ۸۰) اسی طرح مکی زندگی کے ابتدائی سالوں میں آپ بعض سرداران قریش کو اللہ پر ایمان لانے کی تلقین کر رہے تھے اور ان سے کچھ بہتر توقع رکھتے تھے کہ اچانک ایک نابینا صحابی حضرت ابن ام مکتومؓ وہاں پہنچ گئے۔ ایسے وقت میں ان کا یہاں آنا حضور کو ناگوار معلوم ہوا۔ اللہ نے فوراً آپ کی گرفت کی۔ جس کی تفصیل سورہ عبس میں موجود ہے۔ اتنی سخت گرفت کا تذکرہ کوئی بھی مصنف اپنی کتاب میں نہیں کر سکتا ہے۔ وہ کوئی کتاب تحریر کرتا ہے تو اس کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ اس میں کوئی ایسی بات نہ آنے پائے جو قابل اعتراض ہو۔ خاص طور پر اپنی ذات کے متعلق اس طرح کی باتوں کا ذکر مصنف کی تصنیف کو مجروح ہی کرے گا نہ کہ مقبول۔

عرب کے ماحول میں قرآن کی تصنیف ناممکن تھی: قرآن کریم میں ایسے بہت سے واقعات بیان ہوئے ہیں جن کا تعلق سابقہ قوموں اور امتوں سے ہے۔ اس کا ذکر سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی نہیں ملتا۔ ان آسمانی کتابوں کے عالموں اور اس مذہب کے راہبوں کے حافظہ میں وہ باتیں کہاں سے آسکتی تھیں جن کے بارے میں ان لوگوں نے کسی کتاب میں نہیں پڑھا اور نہ کسی سے سنا۔ اگر رسول امیؐ نے اہل کتاب سے جو باتیں سیکھیں جیسا کہ کفار و مشرکین باور کراتے تھے اور جیسا کہ مستشرقین کا دعوا ہے تو وہ وہیں تک محدود رہتیں۔ اس سے آگے بڑھ کر قرآن میں جو حقائق بیان ہوئے ہیں وہ کہاں کی پیداوار ہیں۔ اسی کے ساتھ قرآن تمام سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ یقیناً اس کے پیچھے کوئی ایسی ہستی ضرور ہے جو علیم و خبیر اور قادر مطلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کے دوران ایسے واقعات سامنے آتے ہیں جو چونکا دینے والے ہیں۔ اب لامحالہ ذہن اس بات کی طرف مائل ہوتا ہے کہ ایسا جامع کلام پیش کرنے والا انسان نہیں ہو سکتا اور عرب کے ماحول میں ایسی کتاب کی تصنیف ممکن بھی نہ تھی

۔جیسا کہ عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں

''یہ مسئلہ اس وقت تک حل طلب ہی رہے گا جب تک کہ وحی الٰہی کو ذریعہ علم تسلیم نہیں کیا جاتا اور جوں ہی وحی کو اس کا ذریعہ تسلیم کرلیا جائے تمام مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں کہ تمام صحف سماوی کا تعلق ایک ہی سرچشمہ ہدایت سے ہے، جس کے باعث ان میں مماثلت پائی جاتی ہے۔قرآنمیں عہدنامہ قدیم وجدید کے مذکورانبیاء کا تذکرہ اسی لیے بار بار ہوتا ہے کہ وہ بھی انسان اور عالم بالا کے درمیان واسطہ تھے۔جس طرح پیشہ ور طبقے مثلاً مورخ، سائنس داں، اطبا، فلسفی، سب کے سب اپنے پیش رو مشاہیر سے اپنا تعلق قائم رکھتے ہیں۔اسی طرح اگر سلسلہ توحید میں یہی تعلق نظر آتا ہے تو اس میں حیرت کی کون سی بات ہے؟ کوئی بھی شخص جو کسی صحیفہ سماوی کا قائل ہو قرآن کے صحیفہ سماوی ہونے سے انکار نہیں کرسکتا۔قرآن ہر پہلو سے دیگر صحف سماوی سے اعلیٰ وارفع ہے۔''۲۶

یکبارگی قرآن کے نازل نہ ہونے سے کلام الٰہی کی نفی نہیں ہوتی:

قرآن کریم کا نزول حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا ہوا۔جس وقت جیسی ضرورت درپیش تھی، اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ کے ذریعہ محمدؐ پر نازل کیا۔اس پر کفار مکہ کہتے کہ اگر یہ اللہ کا کلام ہوتا تو پورا کا پورا ایک ہی بار مکمل کتاب کی شکل میں نازل ہوتا۔محمد کو جس دن جتنی آیات یاد اور محفوظ ہو جاتی ہیں، اسے دوسروں تک پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے جسے فرشتہ وحی لے کر آیا ہے۔حالاں کہ ایسا کرنے کی مصلحت کیا تھی وہ سب پر واضح ہے۔اگر کلام الٰہی یک بارگی نازل ہوجاتا تو یہ ایک بارگراں ہوتا، جس سے استفادہ مشکل ہوجاتا۔ان کے اس الزام اور اعتراض کا ذکر قرآن میں اس طرح کیا گیا ہے: ''وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا۔''(الفرقان:۳۲-۳۳)

(منکرین کہتے ہیں اس شخص پر سارا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اتار دیا گیا؟ ہاں ایسا اس لیے کیا گیا ہے کہ (اے نبی) اس کو اچھی طرح ہم تمہارے ذہن نشین کرتے رہیں اور (اسی غرض کے لیے) ہم نے اس کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ الگ الگ اجزا کی شکل دی ہے اور (اس میں یہ مصلحت بھی ہے) کہ جب کبھی وہ تمہارے سامنے کوئی نرالی بات (یا عجیب سوال) لے آئے، اس کا ٹھیک جواب بروقت ہم نے تمہیں بتادیا اور بہترین طریقے سے بات کھول دی۔)

قرآن ایک عظیم معجزہ اور جملہ علوم وفنون کا مجموعہ ہے: اپنے تجربات ومشاہدات اور علمی تحقیقات وتصنیفات کو دوسروں تک منتقل کرنے کا کام ہر زمانے میں لوگوں نے انجام دیا ہے۔ایسے لوگوں کی علمی کاوشوں کا ایسا عظیم انبار ہے کہ ہم اس کا صحیح طور سے احاطہ نہیں کرسکتے۔انسانی زندگی اور اس کی ضرورت کا کون سا ایسا گوشہ ہے جسے موضوع بحث نہ بنایا گیا ہو۔لیکن جب یہ چیزیں منظر عام پر آئیں تو بہرصورت اس میں تشنگی اور کمی پائی گئی ہے۔اس کے

برخلاف ۱۱۴ چھوٹی بڑی سورتوں پر مشتمل کتاب قرآن کریم اتنی جامع اور مکمل ہے کہ اس میں دنیا کی ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔ جملہ افکار و خیالات کی نشان دہی کر دی گئی ہے، روز و شب گزارنے کے اصول بیان کر دیئے گئے ہیں، حق و باطل کی نشان دہی کر دی گئی ہے، حرام و حلال کو واضح کر دیا گیا ہے، جزا و سزا کا مدار متعین کر دیا گیا ہے، آئندہ رونما ہونے والے واقعات و تغیرات سے پردہ اٹھا دیا گیا ہے، پچھلی امتوں اور نبیوں و رسولوں کے احول و کوائف سے بھی روشناس کرا دیا گیا ہے۔ گویا کہ دنیا کی ہر چیز کا اس میں اجمالی یا تفصیلی ذکر ہے اور چشم بصیرت رکھنے والوں کے لیے عبرت و نصیحت بھی ہے۔ اس کا ایک ایک جملہ اتنا جچا تلا اور ادبیت و اعجاز سے لبریز ہے کہ اگر آدمی اس کی تفسیر و تعبیر کے لیے قلم اٹھائے تو وہ اس کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ یہ باتیں خود اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے۔ بھلا ایک 'امی' آدمی اتنی جامع کتاب کیسے تصنیف کر سکتا ہے جس نے اپنے زمانہ آغاز سے لے کر آج تک دنیا میں ہلچل مچا رکھی ہے۔ لہٰذا اس عظیم کتاب کو ایک عظیم معجزہ کے طور پر ہی تسلیم کرنا چاہیے۔ خود نبی اکرمؐ نے فرمایا:

''پیغمبروں میں سے ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے کچھ نہ کچھ معجزات عطا کیے، جسے دیکھ کر لوگ ایمان لائے۔ لیکن جو معجزہ مجھے عنایت کیا گیا وہ وحی (قرآن) ہے۔ جس کو اللہ نے مجھ پر اتارا ہے۔ اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میری اتباع کرنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔'' [۲۷]

نیز قرآن کریم کی جامعیت کا اندازہ مندرجہ ذیل روایت سے بھی لگایا جا سکتا ہے:

''حارث الاعورؒ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد سے گزرا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ بحث کر رہے تھے۔ میں حضرت علی کے پاس گیا اور کہا امیر المومنین! کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ لوگ آپس میں مناظرہ کر رہے ہیں۔ فرمایا: کیا وہ ایسا ہی کرتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں۔ حضرت علی نے فرمایا: میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ عنقریب فتنوں کا دروازہ کھل جائے گا۔ میں نے پوچھا کہ فتنوں سے بچاؤ کا راستہ کیا ہے؟ فرمایا: فتنوں سے بچانے والی چیز اللہ کی کتاب قرآن مجید ہے۔ یہ قرآن وہ کتاب ہے جس میں تم سے پہلی قوموں کی (ہدایت و ضلالت، عروج و زوال کی) خبریں موجود ہیں اور تمہارے بعد کی خبریں بھی۔ (جو زندگی میں اس کے بعد موت کے وقت اور قبر و حشر میں تمہارے سامنے آنے والی ہیں۔) اور اس میں ان تمام اختلافات اور جھگڑوں کا حل موجود ہے جو تمہارے درمیان پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ قرآن حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی کتاب ہے۔ اس میں ایک چیز بھی ایسی نہیں جس کو فضول بے کار ہزل کہا جا سکے۔ یاد رکھو جو شخص اپنے غرور و شر کی وجہ سے قرآن شریف پر توجہ نہ دے گا، اللہ اسے پاش پاش کر دے گا اور جو کوئی اس قرآن سے ہٹ کر کہیں دوسری جگہ ہدایت و کامیابی اور خدا ترسی کی راہ ڈھونڈے گا، اللہ پاک اسے گمراہی کے غار میں ڈھکیل دے گا۔ یہ قرآن اللہ پاک کی مضبوط رسی ہے۔ یہ ایسی نصیحت ہے جس کی پختگی میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں اور یہی صراط مستقیم ہے۔ یہ وہ محکم اور مضبوط کتاب ہے کہ خواہشات کے پیچھے لگنے والے اس میں تبدیلی نہیں

کر سکتے۔ یہ مقدس کتاب ہے جس کو مختلف زبانوں والے لوگ پڑھیں گے، مگر ان کی مختلف بولیوں کا اس پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ یہ وہ علمی خزانہ ہے جس کے حاصل کرنے سے قدر دان علم سیراب نہیں ہوتے اور نہ کثرت تلاوت سے یہ کتاب پرانی ہوتی ہے۔ یہ وہ نادر کتاب ہے جس کے اندر بیان کردہ عجائبات کی کوئی حد نہیں۔ ہاں یہی وہ کتاب ہے جسے سن کر جنات کو اقرار کرنا پڑا اور وہ کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب کتاب سنی ہے جو یقیناً خدائی الہام ہے، پس ہم اس پر ایمان لائے۔ یہ کتاب سراسر رشد و ہدایت کا خزانہ ہے۔ یہ وہ کتاب ہے کہ جس نے اس کے ساتھ کوئی بات منہ سے نکالی وہ یقیناً سچا ہے اور جس نے اس پر عمل کیا اس کو ثواب حاصل ہوگا اور جس نے اس کو قانون ٹھہرایا اس نے عدل کیا اور جس نے اس کی طرف دعوت دی وہ یقیناً صراط مستقیم کا ہادی ہوا۔ (اے اعور اس کو لے لو۔)'' ۲۸

آپؐ کے دست مبارک سے یوں تو بہت سارے معجزات صادر ہوئے، مگر سوائے قرآن کے کسی معجزہ کو کسی چیلنج کے مقابلے میں حضورؐ نے پیش نہیں کیا۔ لوگوں نے آپ سے نبوت کی نشانی مانگی تو آپ نے قرآن ہی کو جواب میں پیش کیا۔ جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآن ہی آپکا سب سے عظیم معجزہ ہے۔ جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر وعاجز ہے۔

چند دنوں قبل امریکہ کے ایک پادری 'ٹیری جونس' نے ۹/۱۱ کے برسی کے موقع پر قرآن کریم کو نذر آتش کرنے کی منظم کوشش کی اور اپنے عمل کو انجام دینے کے لیے فضا ہموار کی۔ اس کی مخالفت پوری دنیا کے مسلمانوں نے اور خود بعض امریکی باشندوں نے بھی کی۔ لیکن بر وقت پر وہ اپنے اس ناپاک فعل سے باز آ گیا۔ اسے صرف قرآن کریم کا معجزہ ہی کہا جاسکتا ہے۔

قرآن آج بھی دلوں کی دنیا بدل دینے کی صلاحیت رکھتا ہے: ہمارا یقین اور ایمان تو سابقہ تمام آسمانی کتابوں پر ہے کہ یہ منزل من اللہ ہیں۔ البتہ ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کا حکم نزول قرآن کے بعد منسوخ ہوگیا۔ اگر کفار مکہ اپنی جہالت اور ہٹ دھرمی کی بنا پر قرآن کے الہامی کتاب ہونے کے سلسلے میں معترض ہوئے تو ان میں بیشتر افراد اس کی صداقت کے بھی معترف تھے اور اس کتاب ہدایت پر ایمان بھی لائے۔ لیکن جب زمانہ ترقی کرتے ہوئے آگے بڑھا اور لوگوں کے اندر علم و فن کی ترقی ہوئی، تحقیق و تجربے کا میدان وسیع ہوا تو ضروری تھا کہ وہ مزید قرآنی شواہد وحقائق پر غور کرتے اور اس کے مندرجات سے فائدہ اٹھاتے اور اس پر ایمان لاتے، نہ کہ اس کی مخالف کرتے اور ایسی یادہ گوئی کے مرتکب نہ ہوتے کہ کفار مکہ کی جاہلانہ مخالفت بھی ماند پڑ جائے۔ قرآن لوگوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس سے استفادہ کیا جائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآنی آیات کی تکذیب کی جائے، اس کے نزول کی کیفیت کا مذاق اڑایا جائے اور اس کے متعلق من گھڑنت باتیں منسوب کی جائیں۔ قرآن اپنے آپ میں خود ایک دلیل ہے کہ یہ کلام الٰہی ہے جو محمدؐ پر نازل ہوا ہے۔ اس کے لیے مزید دلائل کی تلاش بے سود ہے۔ جن مخالفین نے اس کے بارے میں مختلف اعتراضات کیے ہیں، انہیں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوئے جنھوں نے بڑے واضح

انداز میں کہا کہ خود قرآن اپنے آپ میں ایک بڑی دلیل ہے کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ اسکی تعلیمات پر عمل کرنا نہایت آسان ہے اور اس کی روشنی میں انسان دین و دنیا کی فلاح حاصل کرسکتا ہے۔ جیسا کہ مشہور مستشرق 'فلپ کے حتی' لکھتا ہے:

''خود لفظ قرآن کے معنیٰ پڑھائی، تقریر اور مکالمہ کے ہیں۔ یہ کتاب ایک قومی اور زندہ آواز ہے، اس کو زبان سے پڑھنے اور اس کے اصلی متن کو سنتے ہی اس کی حقیقی قدر و قیمت پہچانی جاسکتی ہے، اس کی قوت تاثیر زیادہ تر اس کے منفرد انداز لحن، ترتیل اور الفاظ کے سبک پن میں مضمر ہے اور اس کی یہ خصوصیات ترجمہ میں بالکل منتقل نہیں کی جاسکتیں، اسلام کی اساس اور مسلمانوں کے مذہبی اور اخلاقی معاملات میں قطعی حکم ہونے کے اعتبار سے قرآن نے مسلمانوں کے فکر و عمل پر جو اثرات مرتب کیے ہیں وہ مسلمانوں کی داستان کا ایک بڑا حصہ ہے۔'' ۲۹

مشہور مستشرق 'کارلائل' نے اسی صداقت کا اعتراف اپنے ایک مشہور اور طویل خطبے میں کیا ہے۔ نیز اس نے مغربی دنیا کو مخاطب کر کے یہ بھی کہا تھا: ''میں نے اپنی ادبی، فکری اور قلمی زندگی سے یہ نتیجہ حاصل کیا ہے کہ کتاب کوئی بھی ہو، اس کی عظمت کا معیار بالآخر خلوص ہوتا ہے۔ بندے کے حق میں اس سے زیادہ مخلص کون ہوسکتا ہے جس نے اسے بنایا۔ قصہ مختصر جس خالق نے بندے کو پیدا کیا، اس نے رہنمائی کیلئے قرآن بھی نازل کیا۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ خلوص کی کسوٹی پر یہ کتاب لاثانی ہے، کھری ہے، خالص ہے۔ بدقسمتی ہے انسان کی کہ خالص سونے کے گرد کھوٹ چڑھادیا گیا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ کتاب الٰہی کے سمجھنے میں نہ جانے کن کن لوگوں نے مختلف طریقوں اور ناموں سے روایتوں کا ڈھیر لگادیا ہے۔ جی ہاں! سونے کے ارد گرد کھوٹ۔ میں تو چلا جاؤں گا، آپ لوگ جو میری باتیں اتنی محبت سے سن رہے ہیں، آپ سب بھی ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ لیکن ممکن ہے کہ آج میرے دل سے نکلی ہوئی 'نوا' وقت کا بے رحم ہاتھ محفوظ کرلے اور آپ نہیں تو آئندہ صدیوں میں آنے والے ایک دو صاحب فکر و نظر دنیا تک پہنچائیں۔'' ۳۰

قرآن کریم آج تک تحریف و تبدیل سے بھی پاک ہے: کچھ عرصہ پہلے جرمنی کے عیسائی پادریوں نے سوچا کہ حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں جو انجیل آرامی زبان میں تھی، وہ اب دنیا میں پائی نہیں جاتی۔ اس وقت جو انجیل کا نسخہ پایا جاتا ہے وہ یونانی زبان میں ہے، اسی زبان سے دوسری زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یونانی مخطوطوں کو جمع کیا جائے اور ان کا آپس میں مقابلہ کیا جائے، بڑی محنت کے بعد دستیاب نسخے جمع کیے گئے اور ان کے ایک ایک لفظ کا باہم مقابلہ کیا گیا، اس کی رپورٹ شائع کی گئی اور بتایا گیا کہ ان میں کوئی دو لاکھ اختلافی روایات ملتی ہیں، اس کے بعد یہ جملہ بھی تحریر کیا گیا کہ ان میں سے ۸/۱۱ اہم ہیں۔ اس رپورٹ کے کچھ عرصہ بعد لوگوں کے اندر قرآن کے متعلق حسد پیدا ہوا کہ قرآن کا بھی آپس میں موازنہ کیا جائے، چنانچہ اس کے لیے جرمنی کی میونخ یونیورسٹی میں ایک ادارہ قائم کیا گیا۔ اس کا نام رکھا گیا ''قرآن مجید کی تحقیقات کا ادارہ'' اس کا مقصد یہ تھا کہ پوری دنیا سے قرآن مجید کے قدیم ترین نسخوں کو کسی بھی طرح حاصل کیا جائے۔ جمع کرنے کا یہ سلسلہ تین نسلوں تک جاری رہا ۱۹۳۳ء

میں اس کے تیسرے ڈائرکٹر پرتیسل نے بتایا کہ اس ادارہ میں قرآن مجید کے ۴۲ ہزار نسخوں کے فوٹو موجود ہیں اور مقابلے کا کام جاری ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں اس ادارے کی عمارت پر ایک امریکی بم گرا اور عمارت دکتب خانہ سب برباد ہوگیا۔لیکن اس حادثہ سے کچھ ہی پہلے ایک عارضی رپورٹ شائع ہوئی تھی اس کے الفاظ یہ ہیں کہ قرآن مجید کے نسخوں میں مقابلے کا جو کام ہم نے شروع کیا وہ ابھی مکمل نہیں ہوا ہے، لیکن اب تک جو نتیجہ نکلا ہے وہ یہ کہ ان نسخوں میں کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں تو ملتی ہیں لیکن اختلاف روایت ایک بھی نہیں ہے۔۳۱ اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جانا چاہیے کہ اللہ نے خود اس کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ." (الحجر:۹) (ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔)

تحریف قرآن کی تمام کوششیں ناکام ہوں گی۔ اپنی برتری کو دنیا میں تسلیم کرانے کیلئے اہل مغرب قرآن کو الہامی اور دنیا کی عظیم ترین کتاب ماننے سے انکار کرتے ہیں۔اس لیے وہ اس میں ہمیشہ سے طرح طرح کے عیوب نکالتے رہے ہیں۔ان کی ڈھٹائی کا یہ عالم کہ وہ اپنی کتابوں کی طرح قرآن مقدس میں بھی تحریف وترمیم کے عمل سے گزرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جب کہ یہ بات تسلیم کی جا چکی ہے کہ آج تک اس میں ایک لفظ کا بھی حذف واضافہ نہیں کیا گیا ہے۔اس دعویٰ کو مشکوک ٹھہرانے کیلئے مغرب نے ایک ناکام اور بے ہودہ کوشش یہ کی کہ قرآن کے مقابل ایک کتاب 'الفرقان الحق' کے نام سے گھڑ ڈالی اور اسی نہج پر اس کتاب کی ترتیب وتدوین کی اور اس میں پیش کی گئی سورتوں کا نام بھی اسی انداز پر رکھا۔مگر جب 'الفرقان الحق' منظر عام پر آئی تو مغربی ذہنیت کا پول کھل گیا اور کسی نے بھی اس کوشش کو نہیں سراہا، بلکہ ہر طرف سے اس پر صدائے احتجاج بلند ہوئی۔ آخر نتیجہ یہی ہوا کہ چند دنوں کے بعد ہی یہ فتنہ خود بہ خود سرنگوں ہوگیا۔عبدالرحمٰن ابن جوزی لکھتے ہیں: ''ہمارے نبیؐ کے صدق دعویٰ اور حقانیت رسالت پر سب سے بڑی دلیل اور برہان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹے دعوے دار کو بہت کم مہلت دیتا ہے، پھر اس کو عذاب میں مبتلا کر کے بیخ وبن سے اکھیڑ پھینکتا ہے۔تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ایسی ذات کو جو اس پر بہتان باندھے اور افترا کرے، سالہا سال تک مہلت دے۔''۳۲

قرآن ایک زندہ حقیقت ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو لوگوں کی ہدایت کیلئے نازل کی گئی ہے، اسلئے وہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔اس طرح کی جو بھی بیہودہ کوشش کی جائے، اس کا لغو ہونا دنیا پر واضح ہو کر رہے گا۔ کیوں کہ خود باری تعالیٰ فرماتا ہے: "اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاۗءَهُمْ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ. لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ." (حم السجدہ/فصلت:۴۱-۴۲) (یہ وہ لوگ ہیں جن کے سامنے کلام نصیحت آیا تو انہوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک زبردست کتاب ہے۔ باطل نہ سامنے سے اس پر آسکتا ہے نہ پیچھے سے۔ یہ ایک حکیم وحمید کی نازل کردہ کتاب ہے۔)

مآخذ ومراجع

۱۔ ڈاکٹر محمد ثناء اللہ ندوی (مرتب) عربی اسلامی علوم اور مستشرقین (مجموعہ مقالات عربی) توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ، کشن گنج، بہار، ۲۰۰۴ء، ص:۱۱، مضمون نگار: ڈاکٹر التہامی النقرہ، مضمون: مستشرقین اور قرآن

۲۔ ایضا　۳۔ ایضا، ص:۱۲　۴۔ ایضا، ص:۱۱

۵۔ G.Sale.The Koran,New York,1890,P:48

۶۔ ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی، اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، اریب پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۷ء، ص:۱۸۹-۱۹۰

۷۔ محمد عبدالملک بن ہشام، سیرۃ النبیؐ، مطبعۃ حجازی، قاہرہ، ۱۹۳۷ء، ج:۱، ص:۴۲۰

۸۔ ایضا، ج:۱، ص:۳۳۷-۳۳۸　۹۔ ایضا، ج:۱، ص:۲۸۳-۲۸۴　۱۰۔ ایضا، ج:۱، ص:۳۱۳-۳۱۴

۱۱۔ ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن بنت الشاطی، قرآن کریم کا اعجاز، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۱۹۹۹ء، ص:۶۹

۱۲۔ عزالدین بن الاثیر جزری، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ، دارالشعب، قاہرہ، ج:۴، ص:۵۱۶

۱۳۔ عبدالرحمٰن ابن جوزی، الوفا باحوال المصطفیٰ (اردو ترجمہ) اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۸۳ء، ص:۳۱۶

۱۴۔ ایضا، ص:۳۱۹　۱۵۔ سیرۃ النبیؐ، ج:۱، ص:۳۶۵-۳۶۸

۱۶۔ صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب قصۃ اسلام ابی ذر الغفاری　۱۷۔ مسند احمد، ج:۱، ص:۳۱۸

۱۸۔ صحیح البخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ طور　۱۹۔ سیرۃ النبی، ج:۱، ص:۴۰۷-۴۱۰

۲۰۔ مسند احمد، ج:۴، ص:۳۳۵　۲۱۔ سیرۃ النبیؐ، ج:۲، ص:۳۰

۲۲۔ ایضا، ج:۱، ۳۹۶　۲۳۔ ایضا، ج:۲، ص:۳۸

۲۴۔ ایضا، ج:۱، ص:۳۵۹　۲۵۔ ایضا، ج:۱، ص:۴۱۸-۴۱۹

۲۶۔ اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص:۲۴۹-۲۵۰

۲۷۔ صحیح البخاری، کتاب الاعتصام، باب قول بعثت بجوامع الکلم

۲۸۔ سنن ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل القرآن

۲۹۔ Philip K. Hitti, The Arabs a short History, London, 1968, P:34

۳۰۔ Thoms Carlyle The hero as prophet, Islam Service Lea gue Dongri, Bomby.

۳۱۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطبات بھاولپور، اسلامک بک فاؤنڈیشن، دہلی، ۱۹۹۷ء، ص:۳۴-۳۵

۳۲۔ الوفا باحوال المصطفیٰ، ص:۴۰۳

مولانا حذیفہ وستانوی،انڈیا

فتنہ نیو ورلڈ آرڈر اور
سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن تعلیمات کو لے کر مبعوث کیے گئے وہ ایسی ہمہ گیر اور کامل و مکمل ہیں کہ رہتی دنیا تک اس سے رہنمائی ملتی رہے گی، زمانہ چاہے کتنا ہی ترقی کیوں نہ کر جائے، مگر وہ تعلیمات نبویہ سے دست بردار نہیں ہوسکتا، کیوں کہ قرآن کا اعلان ہے: ''الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الإسلام دینا ''۔ میں نے آج تمہارے دین کو کامل و مکمل کر دیا اور میری نعمت کو تم پر تام کر دیا اور دین اسلام کو تمہارے لیے پسند کر لیا۔

اس آیت کریمہ میں غور کرنے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ قرآن نے دو جملے استعمال کیے ہیں: اکمالِ دین اور اتمام نعمت ۔ بظاہر دونوں ایک معلوم ہوتے ہیں، مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اکمال دین کا جملہ لا کر بنی آدم کو صاف الفاظ میں خبر دے دی کہ اس دین کے آنے کے بعد تمام ادیان سابقہ منسوخ ہو چکے ہیں، اس لیے کہ بقیہ زمانہ میں جو شریعتیں اللہ کی جانب سے انبیاء سابقین کے ذریعہ بنی نوع انسانی پر نازل کی گئی تھیں، وہ اس زمانہ کے لحاظ تھیں مگر نبی آخر الزماں احمد مصطفیٰ محمد مجتبیٰ ﷺ کو جو شریعت دی گئی، وہ صرف ان کے زمانہ کے ساتھ خاص نہیں، ایسی کامل و مکمل ہے، کہ ہر زمانہ میں اللہ کے رضا جوئی والی راہ جاننے کے لیے کافی ہے اور وافی ہے۔ اور دوسرا جملہ ''اتممت علیکم نعمتی ''یعنی اور یہ کہ تم پر میری نعمت کو مکمل کر چکا ہوں تو ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد نعمت رسالت ہو، یعنی اب آپ ﷺ کے بعد کوئی رسول نہیں آئے گا، اور ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد بندوں کو یہ بتانا ہو کہ اسلام جو مادہ پرستی کے دور میں انسان کے لیے شاق معلوم ہوگا، اس کے عاشق شر ہونے کی وجہ سے، ایسا نہیں ہے بلکہ اسلام اللہ کی ایک نعمت عظیم ہے، جس میں اعتدال، لہٰذا ضرورت زمانہ کے نام سے کسی طرح کی تحریف و تغیر کا حامل نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ اب قیامت تک قرآن و حدیث کے بیان کردہ خطوط و اصول پر قائم رہے گا۔ غرضیکہ ہم ربیع الاول کی مناسبت سے نیو ورلڈ آرڈر کے نام سے دنیا میں برپا کیے جانے والے فتنے کا تعاقب کرتے ہوئے اس مضمون میں یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ نیو ورلڈ آرڈر کے مطالبات کیا ہیں، اور اسلام میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اس کا حل کیا ہے۔ امید ہے کہ بصیرت سے پڑھ کر عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔ آمین یا رب العالمین!

نیو ورلڈ آرڈر: ۱۸۹۷ء کی سال یہودیوں نے اپنی ایک کانفریس میں نیا عالمی نظام New

World Order کا تخیل گیارھویں اور انیسویں باب میں پیش کیا، اور اس کی تشکیل کی پہلی کوشش ۱۹۱۷ء میں کی گئی۔ جب امریکی صدر ولسن کے مشیر کرنل مناڈ بل ہاؤس نے اقوام متحدہ (لیگ آف نیشنز) کا خاکہ ولسن کے سامنے پیش کیا، اگرچہ اس وقت یہ کہہ کر رد کر دیا گیا، کہ ''امریکی مقتدر اعلیٰ کسی تنظیم کے تابع نہیں رہ سکتا'' ایسا اس لیے ہوا، کہ یہود اب تک اپنا اثر رسوخ امریکی اداروں پر قائم نہیں کر سکے تھے، مگر پھر انہوں نے فیصلہ کیا کہ اب اقتدار تک پہنچ کر ہی کچھ کام بن سکے گا، لہٰذا اس کے لیے وہ سرگرم ہو گئے، اور ۱۹۴۱ء کے آنے تک وہ تمام امریکی حکومتی اداروں پر حاوی ہو گئے، یہاں تک یکم جنوری ۱۹۴۲ء کے آنے تک اقوام متحدہ کا قیام عمل میں آ گیا، اور یہیں سے نیو ورلڈ آرڈر کی بنیاد پڑ گئی، اور پھر اس شرانگیز فتنہ نے دنیا میں کیا خلفشار پھیلایا؟ حالات اس کے گواہ ہیں کہ پوری دنیا برائی کی جہنم میں دھکیل دی گئی، اور ظاہری و باطنی سکون دنیا سے عنقا ہو گیا، لہٰذا جب تک ''**لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ**'' پر عمل درآمد شروع نہیں ہو جاتا امن اور خیر کی فضائیں قائم ہو ہی نہیں سکتیں۔

نئے عالمی نظام کے عناصر ترکیبیہ

امن کی راہ میں اصل رکاوٹ: دنیا کے حالات دیکھ کر آپ خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں، کہ دہشت مٹانے کے نام پر پوری دنیا میں کون دہشت گردی برپا کئے ہوئے ہے؟ ظاہر ہے کہ امریکہ ہی ہے، اور کیوں نہ ہوں؟ امریکہ کی بنیاد ہی سولین ریڈ انڈین کے قتل ناحق پر پڑی! اور پھر وقفہ وقفہ سے انسانی خون ہی کے ذریعہ اس کی بنیادوں کو مضبوط کیا گیا ہے، اور آج اس کی اس تعمیر کے بعد اس اپنی بقاء کے لیے بھی اس کو انسانی ناحق خون ہی درکار ہے! مگر امریکہ یہ بھول چکا ہے، کہ دیر آید درست آید، اللہ کا عذاب بغتۃ اچانک آتا ہے، اور جب آ جائے گا'' **و لا یجدون لھم من دون اللہ ولیاً و لا نصیرا** '' اور اللہ کا قانون ہے ''**و ما للظالمین من انصار** '' ظالمین کا کوئی مددگار نہ ہوگا، نئے عالمی نظام کی ماں چونکہ امریکہ بن کر بیٹھا ہوا ہے لہٰذا مختصراً اس محرک کا ذکر ضروری تھا جو کر دیا گیا۔

نئے عالمی نظام کے عناصر ترکیبیہ: نئے عالمی نظام کے عناصر ترکیبیہ تو بہت سارے ہیں، مگر امتِ مسلمہ پر جن عناصر کے ذریعہ ظلم کیا جا رہا ہے صرف انہیں کو یہاں بیان کیا جا رہا ہے۔ عالمگیریت (Globlisation) جس کا مطلب عمومی طور پر پوری دنیا کو ایک ہی نظام کے تحت کرنا ہے، یعنی معاشی، تعلیمی، اخلاقی، تہذیبی، ہر چیز میں مغرب کا مقلد محض کر دینا، خاص طور پر عالمِ اسلام کو، کیونکہ وہ جانتا ہے، کہ اگر ہمارا کوئی ہمسر اور مدمقابل ہے تو وہ اسلام ہی ہے، کیوں کہ مغربیت اور اسلامیت میں تضاد ہے، اس لیے کہ مغرب مادہ پرست ہے، اور اسلام اللہ پرست ہے، یعنی ہر امر میں اللہ کی بات کی پیروی کا مجاز ہے چاہے جو ہو جائے۔

عالمگیریت کو دنیا میں نافذ کرنے کے لیے مغرب نے ابلاغ عامہ یعنی میڈیا پر چاہے وہ پرنٹ ہو یا الیکٹرانک ہو ایجارہ داری اور کنٹرول حاصل کر رکھا ہے، اور امریکہ کی جانب سے .I.M.F اسٹاک مارکیٹوں اور کریڈیٹ کارڈ

کے اجرا کے ذریعہ پوری دنیا کے مالی نظام پر شکنجہ کسا جارہا ہے، تہذیبی کنٹرول کے نام پر پوری دنیا کو برگر اور جینیز فیملی میں تبدیل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، آزاد مارکٹنگ کے نام پر پوری دنیا کو ملٹی نیشنل کمپنیوں کے جکڑ میں دے کر غربت میں اضافہ کی راہ ہموار کی جارہی ہے۔

جمہوریت: جمہوریت کے خوش نما نعرے کے ذریعہ سیاسی طور پر پوری دنیا پر اپنی بالادستی قائم کی جارہی ہے۔ خاص طور پر اسلام اور مسلمانوں کو اس کا شکار بنایا جارہا ہے، افغانستان، عراق، الجزائر، فلسطین، پاکستان، انڈونیشیا، لبنان، وغیرہ پر جمہوریت کے نام پر اسلام کا صفایا، اور مغرب کے تسلط کی کوشش کی جارہی ہے، جہاں کہیں اسلام جمہوریت کے راستے کامیاب ہوکر اقتدار پر آیا، ان یورپین ظالموں نے اس کی مخالفت کی، مثلاً فلسطین، مصر، الجزائر، وغیرہ کے حالات سے انکی جمہوریت کے نام پر اسلام دشمنی عیاں ہے۔ **اللھم خذھم أخذ عزیزٍ مقتدر، اللھم فرق جمعھم، و خالف بین کلمتھم، و اجعل کیدھم، فی تضلیل آمین یا رب العالمین۔**

خاندانی منصوبہ بندی: خاندانی منصوبہ بندی کے لیے تمام ممالک اور خاص طور پر اسلامی ممالک میں سروے کر کے یہ باور کرایا جارہا ہے، کہ افراد اگر تیزی کے ساتھ بڑھتے رہے، تو وسائل کم ہونے سے مسائل بڑھ جائیں گے، حالاں کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں، یہ صرف مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کو کنٹرول کرنے کا منصوبہ اور سازش ہے۔ **و مکروا و مکر اللہ، واللہ خیر الماکرین۔**

طاقت کا استعمال: گلوبلائزیشن کے علمبردار امریکہ کا نظریہ یہ ہے، کہ جہاں کہیں بھی کوئی تحریک امریکہ کے مفادات کو نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتی ہو، یا امریکہ کو ایسا محسوس ہو، تو وہ بلاکسی روک ٹوک کے اس پر حملہ کرنے، اور طاقت کا بے جا استعمال کرنے سے نہیں ہچکچائے گا، چاہے پوری دنیا اس کی مخالفت کرے۔

ٹیکنالوجی: امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے ٹیکنالوجی خاص طور پر **Hi-tech** کمپیوٹر ٹیکنالوجی پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے، تاکہ یورپ کی نیوکلیائی بالادستی قائم رہ سکے، خاص طور پر مسلمانوں کو نیوکلیائی طاقت بننے سے روکنا امریکہ کی اولین ترجیح جس کے شواہد افغانستان، عراق، وغیرہ پر حملہ اور پاکستان ودیگر اسلامی ممالک کو ڈراتے اور دھمکاتے رہنے سے لگایا جاسکتا ہے۔

خواتین کی آزادی: آزادیٔ نسواں کے نام سے ۱۹۱۹ء میں باقاعدہ ایک تحریک کھڑی گئی جس نے خاندانی سسٹم کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا، این جی اوز خاص طور پر رفاہی اور تعلیمی خدمات کے نام پر اس میں بڑا رول ادا کر رہے ہیں، اسلامی ملکوں میں یہ لوگ بہت سرگرم عمل ہیں، جس کے نتیجہ میں ماڈل لڑکیوں کا کاروبار زوروں پر ہے۔

اباحیت کا فروغ: نیو ورلڈ آرڈر کا یہ ایک اہم ترین حصہ ہے جس میں ذرائع ابلاغ کے ذریعہ پوری دنیا میں بے حیائی، اور بے راہ روی کو فروغ دیا جارہا ہے، مثلاً ویلین ٹائن ڈے، روز ڈے، کلچر ڈے، اور ایسے بے شمار ڈیز اسی طرح

ناچ گانا اور شراب کو عام کرنے کے لیے Holywood اور Bolywood جیسی فلم انڈسٹریاں ٹی وی سریلز، ویڈیو، فوٹو، کلپ آرٹس، اور اب تو موبائل نے رہی سہی کسر بھی پوری کردی، کھیل کود کو خوب عام کیا جارہا ہے، مثلاً کرکٹ، ٹینس، فٹ بال، ہاکی، وغیرہ جس میں ایک طبقہ کھیلنے میں اور ایک طبقہ اسے دیکھنے میں اور تبصرے کرنے میں اپنا قیمتی وقت ضائع کررہا ہے، اور فرائض واجبات سے بے اعتنائی برت رہا ہے۔ اللہ اللھم احفظنا

نصاب تعلیم: امریکہ پورے دنیا کے سرکاری نصاب تعلیم پر نظر رکھتا ہے۔ اور اس میں ایسے نظریات شامل کرواتا ہے جس سے بچہ بچپن ہی سے مذہب سے متنفر ہوجائے، نظریۂ ڈارون، نظریۂ فرائیڈ وغیرہ کو خوب اہمیت دی جاتی ہے، حالاں کہ یہ تمام نظریات خود مغربی و روسی سائنس دانوں کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ چکے ہیں، مگر عمداً اس پر پردہ ڈالا جارہا ہے تاکہ مسلمان خاص طور پر دین سے بیزار رہے۔

اسلام مخالف فرقوں کا تعاون: پچھلے دوسو سال سے امت کو داخلی انتشار سے دوچار کرنے کے لیے نئے فرقے کھڑا کرنا، اور یہود و نصاریٰ کا ان کو مالی تعاون کرنا، کسی سے پوشیدہ نہیں، مگر اب تو اس حرکت کو بھی تیز کردیا گیا ہے، قادیانیت، بہائیت، موڈرن اسلام، سیکولر اسلام، نیا اسلام، جیسے بے شمار فرقے دنیا کے مختلف خطوں میں خاص طور پر اسلامی اقلیتی ممالک میں کھڑا کرنا، اور اس کا ہر اعتبار سے تعاون کرنا بالکل عیاں ہے۔

ان حالات میں اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ''لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ'' تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔ تو آیئے ہم پُرفتن دور میں ہمارے لیے اسوۂ حسنہ کیا ہو؟ جاننے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ ہمیں دنیا و آخرت میں اللہ کی رضا حاصل ہو جائے، اور ہم کامیاب لوگوں میں سے ہوجائیں۔

دور حاضر اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: قبل اس کے کہ ہم آپکے سامنے کچھ تجاویز سیرت کی روشنی میں بیان کریں دور حاضر میں نیو ورلڈ آرڈر کے مفہوم کے بارے میں سیرت کی روشنی میں مختصر روشنی ڈالنا چاہیں گے۔

تجدید نظام عالم: نئے عالمی نظام کی اصطلاح جس کو ہم تجدید کہہ سکتے ہیں، اس وقت متصور ہوگی، جب دنیا میں کوئی ایسی چیز وجود میں آئے، جس سے دنیا اپنی ہیئت اولیٰ کی طرف لوٹ جائے یعنی جب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تھے، اس وقت جو حالات تھے کہ زمین خیر سے مالا مال تھی اور شر نہ ہونے کے برابر تھا اور دنیا کی یہ کیفیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوئی تھی، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ان الدنیا قد استدار کھیئتہ یوم خلق السموات و الارض'' یعنی دنیا اپنی ہیئت اولیٰ کی طرح لوٹ چکی ہے، جس دن اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا تھا یعنی دنیا جس کی بنا توحید پر ہوئی تھی، ایک بار پھر توحید کی جانب رواں دواں ہے۔ اور فتنے اور شرارتیں جو تخلیق کے بعد عروج پر تھے، اب روز بروز زوال پذیر ہورہے ہیں، لہٰذا معلوم ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کی بعثت سے اصلاً نئے نظام کا آغاز ہوا ہے، نہ کہ ۱۹۴۲ء سے جو ۱۹۴۲ء کے بعد نظام نیوورلڈ آرڈر کے نام سے وجود میں آیا، وہ شیطنیت کے احیاء کے علاوہ کچھ بھی نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو ایسی راہ دیکھائی جو جہنم سے نجات دے کر جنت کی طرف لے جائے، اور یہود جن کو قیامت کے دن سب سے پہلے جہنم کا جھنڈا دیا جائے گا، وہ دنیا کو جہنم کی طرف لے ہی نہیں جا رہے، بلکہ دنیا کو بھی جہنم بنا کر رکھ دیا۔ **الله يدعوا الى الجنة والمغفرة باذنه والرسول يدعوكم۔**

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کردیا کہ: بلاشبہ جاہلیت کا ہر خون اور مال ومنصب وعہدہ قیامت تک میرے دونوں پیروں کے نیچے پامال ہے، یعنی اب قیامت تک کوئی دوسرا مذہب اور سلطنت مکمل طور پر ابدیت کے ساتھ اسلام کے آنے کے بعد استقرار نہیں پکڑ سکتی، اور الحمدللہ ہو بھی ایسا ہی رہا ہے۔

دور حاضر اور اسوۂ نبوی: نبی کریم ﷺ نے امت کو اپنی وفات حسرت آیات سے قبل چند وصیتیں کی تھی جس میں اہم یہ ہے: ''**تركت فيكم امرين: ان تمسكتم بهما لن تضلوا بعدى ابدا كتاب الله و سنتى**''۔ میں تمہارے درمیان دو ایسی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رکھو گے، تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

لہٰذا ہمیں کتاب اللہ کو پڑھنے پڑھانے سمجھنے اور سمجھانے اور اس پر عمل کرنے کا خوب اہتمام کرنا چاہئے، جس سے امت بڑی غفلت میں مبتلا ہے۔

علامہ اقبال نے امت کے حالات کو دیکھ کر تقریباً اسی نوے سال پہلے کہا تھا:

وہ زمانہ میں معزز تھے مسلماں ہو کر ہم ذلیل وخوار ہوئے تاریک قرآں ہو کر

دوسری چیز سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جس نے اسلام کی صحیح تعلیمات کی حفاظت میں اہم رول ادا کیا، جس کی بدولت تدوین حدیث تدوین اصول فقہ، تدوین تاریخ، تدوین علم کلام، تدوین علوم القرآن، تدوین علوم حدیث، جیسے اہم علوم وجود میں آئے اور قرآن کے معانی کی مکمل حفاظت ہوگئی اور جس نے وحی الٰہی کو عملی نمونے کے طور پر پیش کیا ابن العربی کے مطابق سات سو سے زائد علوم، حدیث کے برکت سے وجود میں آئے۔

مادہ پرستی سے چھٹکارہ کیسے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**اكثروا ذكر هاذم اللذات اعنى الموت**''۔ لذتوں کو فنا کرنے والی چیز، موت کو خوب یاد کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مادہ پرستی (یعنی دنیا اور اس کی فانی نعمتیں) جس کا دور حاضر میں دور دورہ ہے، اور نیوورلڈ آرڈر میں دنیا کو اسی مادہ پرستی کی جانب ڈھکیلنے کے لیے اپنی کوششوں کو تیز کر رکھا ہے۔ لہٰذا مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے پیشِ نظر موت اور مابعد موت کی زندگی کو کثرت سے یاد کریں۔ تاکہ مادیت سے ذہن ہٹ کر ربانیت اور للٰہیت کی طرف منتقل ہو جائے۔

سنت پر عمل کا مفہوم: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ومحبت اس درجہ تک اپنے دل میں پیدا کریں کہ

ہر چیز سے زیادہ محبت آپ سے ہو جائے قرآن کا اعلان: ''قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ''
اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ اسی کی شرح کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من مالہ وولدہ والناس اجمعین'' تم میں سے اس وقت تک کوئی کامل مؤمن نہیں ہوسکتا، جب تک میں اس کے نزدیک اس کے مال، اولاد، ہر چیز سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

ایک روایت میں ہے: ''ثلاث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما وان یحب المرء لا یحبہ الا للہ وان یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار''

امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ کمال ایمان کے لئے یہ تین چیزیں ضروری قرار دی گئیں۔ اس لیے کہ جب آدمی غور کرے گا کہ نعمتوں کا دینے والا کون ہے تو ظاہر ہے وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ نعمتوں کا دینے والا اللہ ہے، لہٰذا اسی سے محبت کرنی چاہئے اور نعمتوں میں سب بڑی نعمت قرآن اور اسلام ہے، اور قرآن اور اسلام کو ہم تک صحیح معنی میں پہنچانے والے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تو ظاہر بات ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی محبت کرنے لگے گا، کیوں کہ حقیقت میں یہ دو ہی محبت کے حقدار ہیں، بقیہ سب وسائط کے درجہ میں ہیں، اور جب ان دونوں عظیم ترین ہستیوں سے محبت کرے گا، تو دوستی اور دشمنی بھی اسی سے کرے گا جس سے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم محبت کریں یا ناپسند کریں، اور جب ایمان ان کی محبت کی برکت سے دل میں جم جائے گا تو ظاہر ہے دنیا کی ہر مصیبت، اور چمک دمک اس کی نظروں میں اسلام کے مقابلہ میں بے وقعت ہو جائے گی اور وہ اپنے اندر ایمان کی حلاوت محسوس کرے گا، پھر چاہے جو ہونا ہو، ہو جائے، مگر یہ ہرگز پسند نہیں کرے گا کہ وہ اسلام اور ایمان کے تقاضہ کے خلاف کوئی امر کا ارتکاب کرے، چہ جائیکہ اسے چھوڑ دے، آگ میں جلنا تو پسند کرے گا، مگر ایمان چھوڑنا پسند نہیں کرے گا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی سیرت کو پڑھا جائے لوگوں کو سنایا جائے تاکہ خوشی غمی عبادت، چلنے پھرنے تمام چیزوں میں آپ کا طریقہ معلوم ہو اور پھر اس پر عمل کرنے کا جذبہ بیدار ہو اور یہی مطلوب اور مقصود ہے۔

محبت تین طرح ہوتی ہے۔ (۱) محبت قولی (۲) محبت قلبی (۳) محبت عملی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہر مسلمان میں تینوں قسم کی محبت کا ہونا ضروری ہے۔ محبت قولی یہ ہے، کہ عاشق رسول ہونے کا دعوی کرے، محبت قلبی یہ کہ دل میں آپ کی ہستی سے زیادہ اور کسی کی محبت کو جگہ نہ دے۔ اور محبت عملی یہ ہے کہ ہر کام کے کرنے سے پہلے یہ دیکھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کیا ہے یا نہیں؟ اسلام میں یہ جائز ہے یا نہیں؟ اصل محبت تو یہی ہے کیا حضرات صحابہ کرام رضوان علیہ تعالی علیہم اجمعین سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا کوئی ہوگا؟ مگر پھر بھی احد میں ان سے صرف ایک مرتبہ اجتہادی غلطی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم پر عمل کرنے میں

کوتاہی ہوئی تو مسلمانوں کو کچھ دیر کے لئے شکست سے دوچار ہونا پڑا۔قرآن کہتا ہے:''**فاثابکم غما بغیر بغم**'' پھر تم کو غم کے عوض غم پہونچا۔مفسرین لکھتے ہیں کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کا دل تنگ کیا اس کے بدلے تم پر تنگی آئی تاکہ آگے یاد رکھو ہر حالت میں رسول اللہ علیہ وسلم کے حکم پر چلنا چاہیے خواہ بظاہر کسی نفع کے ضائع ہونے کا امکان نظر آئے۔

اے دور حاضر کے مسلمانو! ذرا غور کرو کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم سے زیادہ کیا کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا نہیں ہوگا، مگر پھر بھی جب ''چوک سے'' عمداً اور جان کر نہیں عملی طور پر بھول ہوگئی، تب بھی صحابہؓ کی گرفت ہوئی اور قرآن میں اس کو بیان بھی کیا گیا، تاکہ لوگوں کو سبق مل جائے، کہ کسی بھی صورت میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت جائز نہیں۔تو ذرا ہم غور کریں کہ ہم تو سنتوں پر عمل کرنا درکنار، فرائض وواجبات کی بھی پرواہ نہیں کرتے، بلکہ اور زیادہ افسوس کی بات یہ کہ، امت کا ایک بڑا طبقہ حلال کو حرام، اور حرام کو حلال کرنے پر تلا ہوا ہے؛ کہیں سود کو، کہیں داڑھی تراشنے کو، کہیں چہرے کے حجاب کو، کہیں ڈیز Days منانے کو، کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عہد کی فلم بندی وفلم بینی کو، کہیں تسلیمہ نسرین اور سلمان رشدی کے معاف کرنے کو، کہیں جہاد کی فرضیت کے انکار کو، کہیں بابری مسجد سے دست بردار ہونے کو؛ جائز ہی نہیں، حلال ہی نہیں، بلکہ مستحب قرار دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔بھلا بتاؤ! ایسے حالات میں نصرت ومدد آسکتی ہے؟نہیں! عذاب تو آسکتا ہے، مگر نصرت نہیں آسکتی۔

لہٰذا اے مسلمانو! خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاؤ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو مضبوطی کے ساتھ قولاً، عملاً اور قلباً ہر طرح سے تھام لو، پھر دیکھو نصرت آتی ہے یا نہیں، سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسوہ بنالو پھر دیکھو تم سربلند ہوتے ہو یا نہیں، رب کعبہ کی قسم تم دنیا وآخرت میں سرخ رو ہو جاؤ گے، سربلندی تمہارا استقبال کرے گی، تم مقصدِ حیات کو پالو گے یعنی رضاء الٰہی کو، اسی لیے کسی شاعر نے کیا خوب کہا۔

بہ مصطفےٰ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست   اگر باو نہ رسیدہ تمام بولہبی است

مصطفیٰ تک پہنچنے کا پہلا قدم یہ ہے کہ ہمارے اعمال وافعال وقت کے تقاضوں کے تابع نہ ہوں بلکہ اسوۂ حسنہ کے تابع ہوں یہی مسلمان کی بازآفرینی کا نسخہ ہے یوں ہی مسلمان اس نام نہاد عالمی نظام کے تار پود کو بکھیر سکتا ہے۔اور انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلاسکتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک نے ان کے عہد کو خیر القرون بتایا، اور اسی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جیسے تمام آنے والے زمانے اس عہد میں اکٹھے کردیے گیے، انسانی زندگی کے کسی امکان کے بارے میں غور کیجئے، کسی صورت حال کے بارے میں غور کیجئے، تو وہ اسی زمانہ میں نظر آجائے گی، اللہ تعالیٰ نے تمام زمانوں کو اس ایک عہد میں سمٹ دیا، یہی وہ نکتہ ہے جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے، کہ کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ، تمام انسانی مسائل پر منطبق کی جاسکتی ہے۔ **اللھم حبب الینا الایمان و زینہ فی قلوبنا و کرہ الینا الکفر و الفسوق و العصیان. و جعلنا من الراشدین. آمین!**

مولانا محمد عیسیٰ منصوری*

اعتدال پسندی اور روشن خیالی کا ایجنڈا

پاکستان میں جنرل مشرف صاحب روشن خیالی و اعتدال پسندی کے علمبردار بنے ہوئے ہیں' امریکہ ویورپ انہیں اپنا سب سے مضبوط پاٹنر و اتحادی سمجھتے ہیں' حالیہ الیکشن میں اصل مقابلہ مشرف صاحب کے حامیوں اور مخالفین کے درمیان تھا عوام کی اکثریت کے ووٹ انٹی مشرف پڑے اسی طرح پاکستانی عوام نے جنرل مشرف کی پالیسیوں پر عدم اعتماد کا دوٹوک اظہار کر دیا' الیکشن کے بعد ہم نے دیکھا کہ پاکستان میں امریکی' برطانوی' فرانسیسی سفراء اور مختلف سطح کے عہدے داران سیاسی پارٹیوں کے رہنماؤں' الیکشن کمیشن' وکلاء کے نمائندوں' عبوری حکومت کے وزراء وغیرہ وغیرہ سے مسلسل ملاقات و مذاکرات کرتے نظر آئے تاکہ ان سب کو جنرل مشرف کی روشن خیالی و اعتدال پسندی کی پالیسیوں کی حمایت پر آمادہ کیا جائے جب مغرب کے کارندوں کا کام ایک حد تک مکمل ہوگیا تو مشرف صاحب نے کہنا شروع کر دیا کہ عوام نے الیکشن میں انتہاء پسندوں کو رد کر کے اعتدال پسندی اور روشن خیالی کو ووٹ دیا ہے اس لئے وہ اپنی روشن خیالی کی پالیسیوں کو جاری رکھتے ہوئے دہشت گردی اور مذہبی انتہاء پسندی کے خلاف جنگ پوری قوت سے جاری رکھیں گے۔

آیئے حقائق کی روشنی میں مغرب کی روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا جائزہ لیں۔ گزشتہ دو صدیوں سے مغرب نے دنیا پر اپنا سیاسی' عسکری' علمی و فکری' تہذیبی ہمہ جہتی تسلط و غلبہ کے بعد اصطلاحات وضع کرنے اور ان کے معنی و مفہوم متعین کرنے کی بھی اجارہ داری حاصل کر لی ہے۔ جس طرح اسلام کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو فرماتے ہیں اگرچہ زبان رسول ﷺ کی ہوتی ہے مگر بات اللہ کی ہوتی ہے بالکل اسی طرح آج ہمارے حکمران جو فرماتے ہیں صرف زبان ان کی ہوتی ہے الفاظ اور ان کا مفہوم مغرب و امریکہ کا متعین کردہ ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیں اعتدال پسندی و روشن خیالی کا صحیح معنی و مفہوم سمجھنے کے لئے مغرب ہی سے رجوع کرنا ہوگا۔

---

* چیئرمین ورلڈ اسلامک فورم لندن

اعتدال پسندی و روشن خیالی مغرب میں مذہب و آسمانی تعلیمات سے بغاوت کا خوشنما نام ہے۔ جب تک مغرب میں انسانی زندگی پر مذہب کی گرفت رہی اس وقت تک مغربی معاشرہ کی اقدار، خیر و شر کا تعین مذہب یعنی عیسائیت سے آرہا تھا اور آسمانی مذہب کا ماخذ آسمانی وحی ہوتی ہے کہ انسان صحیح و غلط کا امتیاز، خیر و شر کا تعین آسمانی تعلیمات یا وحی کی رہنمائی سے کرتا تھا۔ مگر مغرب میں مذہبی رہنماؤں کی علم و سائنس سے ٹکراؤ کی ناعاقبت اندیشانہ پالیسیوں کی بدولت مذہب و سائنس تین چار سو سالہ خونریز جنگ کے بعد نفسِ مذہب ہی سے چھٹکارا حاصل کر کے اس دور کو جس پر مذہب کی گہری چھاپ تھی تاریک دور (Dark Ages) قرار دے دیا گیا۔ مذہب سے چھٹکارہ کے بعد یہاں روشن خیالی کا دور شروع ہوا۔ اب معاشرہ کی اقدار اور خیر و شر کا تعین وحی کی بجائے عقل و مشاہدہ سے ہونے لگا اور یہ دونوں عوامل کام کرتے ہیں۔ سوسائٹی کی مرضی و خواہشات کے تحت گویا خوشنما الفاظ میں بات وہیں جا پہنچی جو ہمیشہ سے مذہب کا دعویٰ رہا کہ حضرت آدمؑ سے تا قیامت روئے زمین پر اصل معرکہ جنگ آسمانی تعلیمات اور خواہشات انسانی کے مابین رہے گا۔ آج اسی خواہشات کے اتباع کا نام روشن خیالی و اعتدال پسندی رکھا دیا گیا چنانچہ روشن خیالی اور اعتدال پسندی کی پہلی اور بنیادی شرط مذہب اور اسکے اثرات سے چھٹکارا حاصل کر کے سوسائٹی اور اس نظام کو عوام کی خواہشات اور اس کی امنگوں کے مطابق چلانا ہی ہے۔ اگرچہ بظاہر مسلم ملکوں میں روشن خیالی کے علمبردار حکمران وقتاً فوقتاً اسلام کا نام بھی جپتے نظر آتے ہیں مگر یہ سب کچھ عوام کو دھوکہ میں رکھنے کے لئے ایک منافقانہ طرز عمل ہے کیونکہ نہ کبھی اسلام مغرب کی روشن خیالی کے سانچہ میں ڈھل سکتا ہے اور نہ ہی موجودہ مغرب آسمانی وحی کو اتھارٹی وسند مان سکتا ہے۔ غرض آج مغرب اور اس کی اتباع میں اقوام عالم نے جس چیز کا نام اعتدال پسندی اور روشن خیالی رکھا ہے یہ درحقیقت خواہش نفس ہی کا خوشنما نام ہے۔

دوسری طرف اسلام بھی خود کو روشن خیالی و اعتدال پسندی کا دین کہتا ہے۔ قرآن کی ایک آیت کا ترجمہ ہے ''اللہ اہل ایمان کا دوست و مددگار ہے جو ان کو تاریکی سے نور اور روشنی کی طرف نکالتا ہے اور کافروں کے دوست اور مددگار طاغوت و شیطان ہیں جو ان کو روشنی سے ظلمت و تاریکی کی طرف ہانک لے جاتے ہیں۔''

اسلام سے پہلے کا دور جو خواہشات نفس کی اتباع کا دور تھا اسے اسلام نے جاہلیت اور ظلمت و تاریکی کا دور یعنی (Dark Ages) قرار دیا اور اسلام نے خود کو اعتدال و روشن خیالی کا دین اور مسلمانوں کو امت وسط یعنی اعتدال والی امت قرار دیا۔ اس اعتدال پسندی کو قرآن اور اسلام نے عقیدہ و عمل میں ہر جگہ نمایاں طریقہ سے واضح کیا مثلاً حضرت مسیحؑ کے متعلق یہودی و عیسائی معاشرہ افراط و تفریط کی دو انتہاؤں پر تھا ایک ان کو خدا کا بیٹا مان کر خدائی میں شریک کرتا دوسرا ان کو اور ان کی والدہ محترمہ کو مع بدترین نسلی گالی دینا اور معاشرہ کی گند قرار دیتا اسلام نے ان دو

انتہاؤں کے درمیان اعتدال ومیانہ روی کا موقف اختیار کیا کہ حضرت مسیحؑ خدا کے بیٹے یا خدائی میں شریک تو نہیں مگر خدا کے انتہائی مقرب ومعزز رسول ہیں۔ اسی طرح عمل وکردار کے اعتبار سے نزول قرآن سے قبل انسانی سوسائٹی دو انتہاؤں پر تھی خالص دنیاداری یا رہبانیت وخالق کی خوشنودی کے حصول اور اخروی نجات کے لئے ترک دنیا و رہبانیت کی قائل تھی یعنی دنیوی ذمہ داریوں اور انسانوں کے حقوق وتعلقات سے منہ موڑ کر صرف خالق کی عبادت میں لگ جانا۔ دوسری انتہاء یہ تھی کہ انسان مذہب وخدا ہی کا منکر بن کر خواہشات نفس ہی کو سب کچھ سمجھ رکھا تھا اسلام نے یہاں بھی اعتدال پسندی کی راہ اختیار کی کہ اللہ کی عبادت واطاعت بھی ضروری اور انسانی سوسائٹی کے حقوق، رشتوں کی پاسداری تمام دنیوی معاملات بھی ضروری، چنانچہ جب بعض صحابہ کرامؓ نے خدا کی خوشنودی کی خاطر عبادت میں غلو اور انتہاء پسندی کا راستہ اختیار کرنا چاہا ہر روز روزہ، ساری رات عبادت، نکاح نہ کرنا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا میرا راستہ اعتدال کا ہے، میں روزہ بھی رکھتا ہوں، کھاتا بھی ہوں، عبادت بھی کرتا ہوں، سوتا بھی ہوں، نکاح بھی کیئے ہیں، خدا کے حقوق بھی ادا کرتا ہوں، جو شخص اس اعتدال کی روش کو ترک کر کے خدا کی عبادت میں غلو وانتہا پسندی اختیار کرے وہ ہم میں سے نہیں یعنی وہ ہمارے راستے وطریقے پر نہیں غرض اسلام نے ہر جگہ عقیدہ ہو یا عمل اعتدال پسندی کی راہ اختیار کی ساتھ ہی روشن خیالی کی اس حد تک تعلیم دی کہ دنیا کے جس تمدن، مذہب، معاشرہ میں اچھی اور انسانیت کے لئے مفید ونفع بخش چیز ملے مسلمان اس کو حاصل کریں فرمایا ہر اچھی چیز مؤمن کی گم شدہ میراث ہے۔ خواہ کہیں ہو۔ امام غزالیؒ نے یہاں تک لکھا ہے کہ اسلام نام ہی اعتدال ومیانہ روی کا ہے۔ مثلاً ایک انتہاء کفر ہے، خدا کا انکار، دوسری انتہاء شرک ہے بہت سے خداؤں کو ماننا اسلام۔ ان دو انتہاؤں کے درمیان اعتدال کی راہ ہے وہ ہے توحید یعنی صرف خدائے واحد کو ماننا اسی طرح ایک انتہاء ظلم ہے، کمزور پر ہاتھ اٹھانا، دوسری بزدلی ہے طاقت کے سامنے جھک جانا، شجاعت ان دو کے درمیان اعتدال ہے کہ طاقت سے دبتے نہیں اور کمزور پر ہاتھ اٹھاتے نہیں۔ ایک انتہاء فضول خرچی (اسراف) ہے بے ضرورت خرچ کرنا دوسری بخیلی وکنجوسی ضرورت کے باوجود خرچ نہ کرنا، اسلام کا طریق ان دو کے درمیان سخاوت ہے بے ضرورت خرچ نہیں کرتے جہاں ضرورت ہو بے دریغ خرچ کرتے ہیں۔

رہا آج مغرب کا روشن خیالی واعتدال پسندی کا چیمپئن بننا تو یہ نئی بات نہیں ہے ہر دور میں خواہشات پر چلنے والوں نے خدا پرستوں کے سامنے اسی طرح کی روشن خیالی کے مطالبات رکھے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کے سامنے بھی بارہا یہ مطالبات رکھے گئے اور آپ نے ہر بار دوٹوک جواب دیا جو قرآن، حدیث اور تاریخ کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔ جب آپ ﷺ نے مکہ میں بتوں کی پرستش کی بجائے خدائے واحد کی عبادت کی تو مکہ کے روشن خیالوں میں کھلبلی مچ گئی اور آپ کے چچا حضرت ابوطالب کی وساطت سے اکابرین قریش ابوجہل عتبہ اور شیبہ وغیرہ نے آپ ﷺ کے سامنے

روشن خیالی کا ایجنڈا رکھا وہ یہ تھا کہ آپ ضرور خدائے واحد کی طرف دعوت دیں مگر ہمارے معبودوں کی نفی نہ کریں ان کو غلط اور باطل نہ کہیں آج بھی مغرب کا مسلمانوں سے یہی مطالبہ ہے کہ اسلام کی خوبیاں بیان کریں مگر ہمارے تمدن طریقوں کو غلط نہ کہیں انکی نفی نہ کریں حضور نبی کریم ﷺ نے اس دور کے روشن خیالوں کے مطالبات دوٹوک الفاظ میں مسترد فرمائے اور قرآن نے سورۂ کافرون اتار کر دی اور خواہشات کے درمیان مفاہمت کے فارمولے کو مکمل طور پر مسترد کر کے دوٹوک اعلان کر دیا کہ خدا پرستی اور خواہشات پرستی دو متوازی اور الگ الگ راستے ہیں' جس کی جو مرضی ہو وہ راستہ اختیار کرے لیکن باطل کو باطل ہی کہا جائے گا۔ اس میں کوئی لچک ممکن نہیں۔ یہ تو مکہ کے کسمپرسی کے دور میں ہوا جب مٹھی بھر مسلمان کفار مکہ کی طرف سے ہر قسم کی صعوبتیں اور تکالیف جھیل رہے تھے دوسرا مکالمہ مدنی دور کا ہے جو اسلام کی قوت و بالادستی کا دور تھا اس وقت بھی روشن خیال اپنا ایجنڈا لے کر مذاکرات کیلئے پہنچے یہ مکالمہ جسے قرآن نے نقل کیا نجران کے کرسچین رہنماؤں اور نبی اکرم ﷺ کے مابین ہوا۔ مذاکرات میں انہوں نے اسلام قبول کرنے اور نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے کے لئے یہ شرط رکھی کہ حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا مان کر خدائی میں شریک کیا جائے۔ جسے نبی اکرم ﷺ نے دوٹوک الفاظ میں مسترد فرما دیا۔ جب مذاکرات اور معاملہ کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکا تو انہوں نے اپنا ایجنڈا ترک کر کے اسلام کے تحت (ذمی) غیر مسلم رعایا بن کر رہنا منظور کیا اور قرآن نے اقوام عالم خاص طور پر تینوں آسمانی مذاہب کے سامنے باہمی خوشگوار اور رواداری کے تعلقات کے لئے اپنا تین نکاتی فارمولا پیش کیا۔

۱۔ اللہ کے سوا کسی کی حقیقی عبادت واطاعت نہ کریں۔

۲۔ اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں۔

۳۔ ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں۔ یعنی خدا کی طرح ان کی اطاعت نہ کریں۔

ایک دوسرے کو اپنا رب بنانے کی تشریح کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے عرب کے مشہور سخی حاتم طائی کے بیٹے عدی بن حاتم سے جو پہلے عیسائی تھے اور انہوں نے قرآن کے اس لفظ پر کہا کہ ہم نے اپنے مذہبی رہنماؤں کو کہاں رب بنایا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے اپنے مذہبی رہنما (پوپ) کو حلال وحرام کی اتھارٹی نہیں بنالیا ہے کہ وہ جسے حلال کہے وہ حلال جسے حرام کہے وہ حرام یہی رب بنانا ہے۔ مغرب نے مذہب سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے بعد یہ اتھارٹی پوپ کی بجائے سوسائٹی کی خواہشات کو دے دی۔ قرآن نے اسی کو فرمایا ''کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا؟ جس نے اپنی فرمائش کو اپنا الہ ورب بنالیا ہے'' چنانچہ مذہب سے چھٹکارے کے بعد مغرب میں خواہشات نے ہی اتھارٹی ورب کا مقام حاصل کر لیا ہے' نہ صرف دنیوی نظم ونسق میں بلکہ حلال وحرام' خیر وشر کا تعین بھی مغرب میں سوسائٹی کی خواہشات کرنے لگیں۔ تقریباً بیس سال پہلے کی بات ہے۔ برطانیہ میں چرچ آف انگلینڈ کی طرف سے تمام چرچ

اور پادریوں کے نام حکم نامہ جاری ہوا کہ ہم جنس (مرد کی مرد سے) شادیوں کو تسلیم نہ کیا جائے۔ ان کی حوصلہ شکنی و مذمت کی جائے۔ مگر جب سوسائٹی میں ہم جنس شادیاں عام ہونے لگیں۔ اور سوسائٹی نے اسے سند قبول بخش دی تو اسی چرچ آف انگلینڈ کی طرف سے پادریوں کو دوسرا ہدایت نامہ جاری ہوا کہ ہم جنس شادیوں کو تسلیم کیا جائے اور ان کی مذمت یا حوصلہ شکنی نہ کی جائے، یہی نہیں سوسائٹی کی خواہشات کو رب بنانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ مغربی حکومتوں نے اسے (مرد کی مرد سے شادی کو) انسانی حقوق کے زمرہ میں داخل کر کے دنیا کے تمام مذاہب و تہذیبوں سے اس کو جائز قرار دینے کا مطالبہ شروع کر دیا۔ غرض مغرب کی روشن خیال و اعتدال پسندی خواہشات کے سوا کوئی اور چیز نہیں۔

نائن الیون کے بعد امریکہ بہادر اور نیٹو کی افواج طاقت کے نشہ میں چور ہو کر اپنے اس روشن خیال کے ایجنڈے کو فلاح انسانی کا آخری و حتمی ماڈل قرار دے کر لاؤ لشکر کے ساتھ بجز اقوام عالم سے عمل درآمد کروانے کے مشن پر نکل پڑی آج مسلم دنیا کے سامنے مغرب روشن خیالی و اعتدال پسندی کے جو مطالبات کر رہا ہے یہ وہی مطالبات نہیں جو چودہ سو سال پہلے طائف کے سرداروں نے نبی اکرمؐ کے سامنے رکھے تھے اپنے معبودوں کی عبادت کا حق حاصل کرنے کے علاوہ ان کے دیگر مطالبات کی فہرست یہ تھی۔

(۱)　انہیں نماز پڑھنے کی پابندی سے مستثنیٰ رکھا جائے۔

(۲)　شراب پینے اور اس کا کاروبار کرنے کی اجازت دی جائے، یہ ہمارے معاشرہ اور معیشت کیلئے ضروری ہے۔

(۳)　سود کے لین دین کا حق دیا جائے۔ یہ ہماری تجارت اور کاروبار کی بنیادی ضرورت ہے۔ زنا کرنے کی اجازت ہو کہ اس کے بغیر ہمارے معاشرہ میں گزارہ نہیں۔ تو ہم آپ کو نبی ماننے اور اسلام قبول کرنے کیلئے تیار ہیں۔

آج اکیسویں صدی میں مغرب اور اس کے کارندے جنرل مشرف وغیرہ روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے جو مطالبات رکھتے ہیں کیا وہ اس کے علاوہ کچھ اور ہیں؟ مثلاً مسٹر مشرف کہہ چکے ہیں جسے نیکر پہن کر دوڑتی لڑکیوں کی رانیں اچھی نہیں لگتیں۔ وہ اپنی آنکھیں یا ٹی وی بند کرلے مگر میراتھن دوڑ ضرور ہوگی۔ اسلام آباد میں بدکاری کا اڈہ بند کرنے کی کوشش پر لال مسجد کی سینکڑوں معصوم بچیوں کو جدید ترین اسلحہ سے جلا کر بھسم کر دیا گیا۔ سود کو ختم کرنے کی سفارش کرنے والی ''اسلامی نظریاتی کونسل'' عرصہ دراز سے عملاً نظر بند ہے۔ بسنت جو درحقیقت ایک گستاخ رسولؐ کی سزا کے خلاف کفر کا احتجاجی تہوار تھا مشرف صاحب اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ جا کر مناتے رہے ہیں۔ جب پتنگ بازی کی دھما چوکڑی میں درجنوں معصوم جانیں جانے لگیں تو سپریم کورٹ آف پاکستان نے اپنے ایک آرڈر کے ذریعہ اس پر روک لگا دی مشرف صاحب کی عدلیہ سے ناراضگی اور دشمنی یہاں سے شروع ہوتی ہے اس کے بعد عدلیہ سے مکمل ٹکراؤ اس وقت شروع ہوا جب سپریم کورٹ آف پاکستان نے ان سینکڑوں لوگوں کے کوائف طلب کئے جنہیں مغرب کے

روشن خیالی قبول نہ کرنے کے جرم میں امریکی سی آئی اے کے ایماء پر خفیہ ایجنسیوں نے پکڑ پکڑ کر راتوں رات گھروں سے غائب کر دیا تھا۔ سپریم کورٹ نے ان سب کو حاضر کرنے کھلی عدالت میں مقدمہ چلانے کا [illegible] تو یہ بات مشرف صاحب کے لئے ناقابل برداشت ہوگئی کیونکہ اس سے امریکہ و یورپ کی ان خفیہ جیلوں کا پول کھل جانے کا اندیشہ تھا جہاں مغرب کی روشن خیالی کا ایجنڈا قبول نہ کرنے والوں اور مغرب و امریکہ کی بالادستی قبول نہ کرنے والوں کو اذیتیں دے دے کر ہلاک کیا جارہا ہے۔ چنانچہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس افتخار چودھری صاحب کو روشن خیالی کے ایجنڈے میں رخنہ ڈالنے کے جرم میں مع ان کے بچوں کے محبوس رکھنا ضروری سمجھا گیا اب الیکشن میں شکست فاش کے باوجود مشرف صاحب پوری ڈھٹائی سے فرمارہے ہیں کہ عوام نے ان کی روشن خیالی اور اعتدال پسندی کو ووٹ دیا ہے اس لئے وہ مغرب کی دہشت گردی کے خلاف جنگ جو درحقیقت مذہب کے خلاف اور خواہشات کے حق میں جنگ ہے پوری قوت سے جاری رکھ کر ہر حالت میں اسلام اور آسمانی تعلیمات کا راستہ روکیں گے' افغانستان میں یہی جنگ امریکی و نیٹو افواج لڑ رہی ہیں' طالبان کا اصل قصور یہی تھا کہ وہ مغرب کی روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے ایجنڈے کو یکسر مسترد کرکے شریعت اسلامی پر عمل پیرا رہنا چاہتے تھے۔ پاکستان میں یہی معرکہ درپیش ہے۔ فرد کی حیثیت سے پاکستانی قوم بحمدللہ مسلمان ہے مگر سوسائٹی اور معاشرہ کی حیثیت سے اسلام قبول کرنے میں آج ہماری شرائط ان شرائط سے مختلف نہیں جو چودہ سو سال پہلے طائف کے وفود نے بارگاہ نبوت میں پیش کی تھیں۔ ہم مانتے ہیں کہ نماز فرض ہے مگر سوسائٹی کی خواہشات کے تحت اسے فرضیات کے بجائے مرضیات کے خانہ میں رکھنا چاہیے تھا۔ سود' شراب' زنا' بے حیائی' گناہ و حرام ہے مگر اہل طائف کی طرح اپنی سوسائٹی کی خواہش کے تحت انہیں بھی مرضیات پر رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم میں اہل طائف میں جو اس وقت مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے۔ فرق یہ ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے ان کی شرائط مسترد کردیں تو طائف کے قبیلہ بنی ثقیف کو فیصلہ کرنے میں صرف ایک رات لگی۔ دوسرے روز انہوں نے اپنی شرائط واپس لے کر غیر مشروط طور پر اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا لیکن پاکستانی قوم گزشتہ ساٹھ سال سے تذبذب میں ہے اور فیصلہ نہیں کرپارہی کہ وہ بحیثیت فرد کے کلمہ پڑھنے کے باوجود بحیثیت سوسائٹی و قوم کے اسلام قبول کرنے میں اپنی شرائط پر نظر ثانی کرسکیں اور بنی ثقیف کی طرح اس حقیقت کا ادراک کرسکیں کہ اسلام تو جب بھی قبول کرنا ہوگا غیر مشروط قبول کرنا ہوگا اور قرآن وسنت کے [illegible] کو من وعن قبول کرنا ہوگا کہ اسلام نام ہی خدا کے حکم کے آگے گردن جھکا دینے کا ہے۔

جنرل مرزا اسلم بیگ
سابق چیف آف آرمی سٹاف' پاکستان

امریکہ اور اوبامہ کو درپیش چیلنج

پاکستان جیسے تیسری دنیا کے ممالک کے سربراہان جب داخلی طور پر سخت حالات سے دوچار ہوتے ہیں تو غیر ملکی سفارتی مہم کا سہارا لیتے ہیں اور پھر' نہ گھر کے رہتے ہیں اور نہ گھاٹ کے۔امریکی صدر اوبامہ کو بھی ایسی ہی صورت حال کا سامنا ہے کیونکہ داخلی مسائل مسلسل بڑھتے ہی جارہے ہیں اور حکومت خوشحال طبقے کی خوشنودی کیلئے عام شہریوں کو نظر انداز کررہی ہے۔زوال پذیر معیشت کو ٹریزری بانڈ (Treasury Bond) خرید کر سہارا دینے کی سعی کی جارہی ہے جو کہ بذات خود سیاسی ناکامی کے مترادف ہے۔بے روزگاری بڑھ کر دس فیصد تک پہنچ رہی ہے۔بینکوں نے مقروض لوگوں کے مکانات ضبط کر کے لاکھوں لوگوں کو بے گھر کردیا ہے جن میں سے اکثر پارکوں اور سڑکوں پر پڑے ہوئے ہیں۔مالیاتی حکمت عملی بھی کامیاب نہیں ہے۔صرف حفظان صحت جیسی اصلاحات مایوسی کے سیاہ بادلوں میں روشنی کی ہلکی سی کرن نظر آتی ہے۔ادھر افغانستان میں اٹھائی جانے والی ہزیمت اور شرمندگی کے باعث امریکہ کی خارجہ پالیسی مسلسل ناکامی سے دوچار ہے' جہاں سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد ایشیاء کی بساط پر کھیلے جانے والے نئے کھیل (New Great Game) میں امریکہ نے عالمی برتری اور حکمرانی کا دائرہ یوروایشیاء (Euro-Asia) تک بڑھانے کا جو خواب دیکھا تھا' اس خیال سے کہ ''اکیسویں صدی امریکہ کی صدی ہے اور پوری دنیا پر اپنی برتری قائم کرنے کا حق اسی کو ہے۔'' وہ شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔اس نئے کھیل کا مقصد ان تمام طاقتوں کو روکنا اور محدود کرنا تھا جو ان کے عزائم کی راہ میں رکاوٹ بن سکتے تھے لیکن افسوس کہ یہ منصوبہ بھی ناکام ہے۔

اس منصوبے کے تحت سب سے پہلے امریکہ نے افغان مجاہدین کے ساتھ دھوکہ کیا جنہوں نے روس کے خلاف جنگ میں فتح حاصل کی تھی۔کیونکہ افغانستان میں بنیاد پرست اسلامی حکومت کا قیام خطے میں امریکہ کے عزائم کیلئے خطرہ تھا اس لئے افغانستان میں دانستہ طور پر خانہ جنگی شروع کرادی گئی۔اس کے بعد امریکہ نے عراق کا رخ کیا جو ایران کے خلاف جنگ میں اپنی طاقت تسلیم کراچکا تھا۔اس طرح ۱۹۹۱ء کی خلیجی جنگ میں عراق کی عسکری طاقت کو تباہ کردیا گیا۔اس کے بعد صومالیہ میں اپنی مرضی کی حکومت لانے کیلئے اس کے ہمسایہ ممالک کو اکسا کر صومالیہ پر حملہ کرایا اور حکومت بدلنی چاہی لیکن اسی دوران ۹/۱۱ کے سانحے نے امریکیوں کے دل غم وغصے سے بھردیئے اور بیتابی کے عالم میں

اس کے باوجود ۱۹۸۹ء میں سویت یونین نے بروقت اپنی شکست تسلیم کر لی تھی اور افغان مجاہدین نے انہیں افغانستان سے پرامن انخلا کا راستہ دے دیا تھا جبکہ امریکہ اور اس کے اتحادی کھلے دل سے شکست تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہیں جس کا واضح اظہار معروف صحافی ایرک ایس مارگولیس (Eric S. Margolis) کے اس بیان سے ہوتا ہے؛

''نیٹو افواج دنیا کی طاقت ورترین فوجیں ہیں جو اتحاد بننے کے اکسٹھ سال بعد پہلی مرتبہ کسی جنگ میں شامل ہوئیں اور ہار چکی ہیں اور وہ بھی ان کے ہاتھوں شکست کھا چکی ہیں جو معمولی نوعیت کے اسلحہ سے لیس افغان کسان اور قبائل ہیں۔''

لزبن (Lisbon) سے جاری ہونے والے حالیہ اعلامیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا غرور مزید مجروح ہوا ہے جس کے سبب یہ بے تکا اعلامیہ جاری کیا گیا ہے:

''ہم آئندہ برس سے شروع ہونے والے فوجی انخلا کے بعد ۲۰۱۴ء میں یا اس سے قبل اپنا مشترکہ کردار ختم کرنے پر غور کر رہے ہیں یا اس میں کچھ اضافہ کریں گے۔'' اس اعلامیے کی رو سے شمالی اتحاد کو ایک لاکھ پچاس ہزار افغان آرمی اور ایک لاکھ پولیس جو کہ زیادہ تر تاجک، ازبک اور ہزارہ قبائل کے جوانوں پر مشتمل ہوگی کے ذریعے طاقتور بنانے سے افغانستان میں نئی خانہ جنگی شروع کرانا مقصود ہے۔ اس طرح افغانستان غیر مستحکم ہی رہے گا جس سے جنوبی ایشیاء اور اس کے اردگرد کے علاقوں میں طالبانائزیشن کا عمل پھیلتا رہے گا اور پاکستان میں بھی امن قائم نہیں ہو سکے گا۔

اب وقت آ گیا ہے کہ اس قسم کی سطحی اور منفی سوچ کے رجحانات کو ختم کیا جائے۔ بھارت سمیت تمام علاقائی ممالک کو چاہیے کہ افغانستان میں قیام امن یقینی بنانے کیلئے افغانستان کے معاملات سے الگ رہیں۔ مسائل اس وقت زیادہ الجھ جاتے ہیں جب جارح قوتیں مشرق کی جانب چین کی ابھرتی ہوئی طاقت کو خطے میں اپنے عزائم کیلئے خطرہ تصور کرتی ہیں۔ چین کی ابھرتی ہوئی طاقت ایک حقیقت ہے اور نہ ہی سویت یونین کی طرح اس کے کوئی جارحانہ عزائم ہیں بلکہ وہ دنیا کی تمام قوموں کے ساتھ تعاون پر مبنی تعلقات استوار کرنا چاہتا ہے جبکہ امریکہ اور بھارت کی شراکت کا [illegible] جنگ کی کیفیت پیدا کرتا ہے اور چین کے خلاف عسکری اتحاد بناتا ہے جو کہ خطے میں قیام امن کیلئے بڑا

بامہ کی خارجہ پالیسی بھی داخلی پالیسی کی طرح غیر دانشمندانہ ہے۔ اگر انہیں واقعی امریکیوں کیلئے ملازمت کے مواقع تلاش کرنا ہیں تو اس سلسلے میں ان کا ایشیاء کا دورہ قطعی غیر موزوں تھا۔ دانشور فرید ذکریا کے بقول: ''انہیں کینیڈا یا میکسیکو کی طرف جانا چاہیے تھا جو کہ بھارت کے مقابلے میں بیس گنا امریکی مصنوعات کے خریدار ہیں یا پھر شمالی

افغانستان پر محض اس لئے چڑھائی کی گئی کہ افغانیوں نے اسامہ بن لادن کو پناہ دینے کا ناقابل معافی جرم کیا تھا جبکہ خود امریکہ نے روس کے خلاف جنگ میں اسامہ کو دعوت دی اور ہر قسم کی مدد اور تعاون فراہم کیا تھا۔ افغانستان پر تسلط قائم کر لینے کے بعد امریکہ نے عراق پر اس مضحکہ خیز الزام کے تحت چڑھائی کی کہ صدام حسین کے پاس ایٹمی ہتھیار تھے۔ ایک طرف افغانستان اور عراق میں امریکہ اپنے قدم جمارہا تھا تو دوسری طرف یورپی یونین نے مشرقی یورپ میں اپنی ممبر شپ بڑھادی اور جارجیا' یوکرائن اور کرغزیا میں بھی مغربی مفادات کے پیش نظر انقلاب برپا کیا اور اپنے دائرہ کار کو بڑھاتے ہوئے افغانستان کو جنوبی ایشیا کا حصہ قرار دے دیا اور امریکہ کے ساتھ ''سٹریٹیجک پارٹنر شپ'' کے تحت بھارت کو خصوصی ذمہ داری سونپی گئی جس کا واضح ہدف'' خطے میں ابھرتے ہوئے اسلامی بنیاد پرستی کے خطرے کو ختم کرنا اور چین کی ابھرتی ہوئی اقتصادی وعسکری طاقت کو محدود کرنا تھا۔'' اس حکمت عملی کو بروئے کار لاتے وقت امریکہ اور اس کے اتحادی اسلامی مزاحمتی قوت کا صحیح اندازہ نہ کر سکے جو ان کی شکست کا باعث بنی ہے۔ اسلامی مزاحمت کہ جسے وہ دہشت گردی کہتے ہیں' اس کے خلاف اس جنگ کی بدولت ہی اسلامی مزاحمتی قوت افغانستان سے عراق' صومالیہ' یمن' پاکستان' کشمیر اور فلسطین تک پھیل چکی ہے اور آگے بھی پھیلتی رہے گی جب تک مسلمان ممالک کے خلاف استعماری طاقتوں کی جارحیت کا سلسلہ جاری رہے گا۔

صدر اوبامہ کے حالیہ دورہ بھارت کے بعد جاری کردہ مشترکہ اعلامیے میں زمینی حقائق کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ طالبان یہ جنگ جیت چکے ہیں اور اپنے عزم واستقلال پر پورا اترے ہیں جیسا کہ ملا عمر نے مارچ ۲۰۰۰ء میں ہمیں پیغام بھیجا تھا کہ: ''ہم اس وقت تک جارح قوتوں کے خلاف لڑتے رہیں گے جب تک ہم اپنے فیصلے خود کرنے میں آزاد نہیں ہو جاتے۔ افغان قوم امریکی ایجنڈے کو ہرگز قبول نہیں کرے گی کیونکہ یہ ہماری قومی غیرت وروایات کے خلاف ہے۔ ہم اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک غیر ملکی فوجیں ہماری سرزمین سے مکمل طور پر نہیں نکل جاتیں۔ ہم آزاد قوم ہیں اور اپنی آزادی کا دفاع کرنا جانتے ہیں۔'' اپنے عزم کے عین مطابق ملا عمر کی قیادت میں افغان قوم اپنے ارادے پر پوری طرح ڈٹی ہوئی ہے جس کا اظہار ان کے حالیہ بیان سے ہوتا ہے؛ ''مجاہدین کی عظیم قربانیوں کے طفیل جارح فوجوں کی شکست کا لمحہ آن پہنچا ہے۔ ہم اپنے دشمنوں کو ایک تھکا دینے والی جنگ میں الجھائے رکھیں گے اور عنقریب ان کا حشر سابق سوویت یونین جیسا ہوگا۔ جوں جوں جنگ کا دورانیہ طویل ہوتا جائے گا قابض فوجوں کے مسائل میں اضافہ ہوتا جائے گا۔'' اس میں کوئی شک نہیں کہ طالبان نے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے خلاف واضح فتح حاصل کرلی ہے اور انہوں نے افغانستان میں بھارت کے کسی کردار کو بھی رد کر دیا ہے۔

اس قسم کی غیر منظم جنگوں (Asymmetric Wars) میں کسی کی واضح فتح یا شکست نہیں ہوتی لیکن

کوریا کی جانب جو بھارت سے دس گنا زیادہ امریکی مصنوعات کا خریدار ہے۔'' اس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ اوبامہ کی نئی سوچ خطرناک مقام پر پہنچ چکی ہے۔ دانش کا تقاضا ہے کہ قابل عمل حکمت عملی اپنائی جائے اور بہتر سوچ کے تحت حالات کا صحیح ادراک کرتے ہوئے افغانستان سے فوجیں نکالنے کی حکمت عملی ترتیب دی جائے جو طالبان کے ساتھ مفاہمت کے ذریعے ہی ممکن ہے ورنہ یہ انخلا ایک ڈراؤنا خواب بن جائے گا کیونکہ ۱۹۸۹ء میں پاکستان کو افغان مجاہدین کا اعتماد حاصل تھا جس کی وجہ سے روسی فوجوں کا پرامن انخلاء یقینی بنایا گیا تھا مگر اب پاکستان افغان مجاہدین کا اعتماد کھو چکا ہے اور صرف طالبان ہی پرامن انخلاء کی ضمانت دے سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں امریکی پالیسی سازوں کو چاہیئے کہ امریکی سینٹ کی ٹاسک فورس کے سربراہ رچرڈ آرمیٹج کی اس دلیل پر غور کریں کہ: ''افغانستان میں تصادم کو ختم کرنے کیلئے آئینی اصلاحات اور دیگر سیاسی اقدامات طے کرنے کیلئے قومی سطح پر پرخلوص مصالحانہ کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔'' اس کے علاوہ اگر کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا گیا تو قابض فوجوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑے گا۔

''امریکہ ایک زوال پذیر ملک ہے جس کی صرف سیاسی ساکھ ہی نہیں بلکہ اقتصادی اور عسکری ساکھ بھی کمزور ہوئی ہے۔'' یہی چیلنج صدر اوبامہ کو درپیش ہے اور اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ دانشمندی سے زمینی حقائق کا جائزہ لیتے ہوئے اس عزم کو پورا کرنے کا تہیہ کرلیں جس کا انہوں نے اپنی قوم سے وعدہ کیا تھا:

''میں امریکی قوم کے خوابوں کی تعبیر کیلئے اپنی ساری زندگی وقف کر چکا ہوں۔''

اب یہ ان کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ ریپبلکن کے ساتھ مل کر'' آگے بڑھیں اور امریکی عوام کیلئے آسانیاں پیدا کرنے کیلئے عملی اقدامات کریں۔'' انہیں اندرون ملک اور بیرونی دنیا کے عوام کو مطمئن کرنے کیلئے مناسب حکمت عملی اپنانا ہوگی' بالخصوص ان لوگوں کے دکھوں کا مداوا کرنا ہوگا جنہوں نے امریکی برتری اور عالمی حکمرانی کے خواب دیکھے اور بہت تکالیف اٹھائی ہیں۔

نوآبادیاتی اور غلامی کا دور قصہء پارینہ بن چکا ہے اور اب عالمی بھائی چارے کو فروغ دینے کا وقت ہے۔ اوبامہ کو چاہیئے کہ معروف دانشور Horace کی اس نصیحت کو یاد رکھیں؛ ''ایسی طاقت کا استعمال جس میں کوئی حکمت عملی شامل نہ ہو' خود اپنے ہی ہاتھوں تباہ ہو جاتی ہے۔''

خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے

مولانا مفتی عبدالمتین *

اورنگزیب عالمگیر اور غیر مسلم مؤرخین کا متعصّبانہ سلوک

اورنگ زیب عالمگیرؒ رزم و بزم دونوں میدانوں کے شہسوار تھے، شاہزادہ خرم (معروف بہ شاہجہاں) ۱۰۶۷ھ۔م۔۱۶۵۶ء۔ میں بیمار ہوا، تخت وتاج کا وارث اپنے بڑے بیٹے داراشکوہ کو بنانا چاہتا تھا، مگر زیادہ لائق اور نگ زیب ہی تھا، نیز داراشکوہ کی مذہبی حالت مشتبہ ہوگئی تھی، اس لیے اورنگ زیب بھی یہ نہ چاہتا تھا کہ وہ حکومت پر قابض ہو، اور ملک کی حالت مذہبی اعتبار سے ابتر ہو، لہٰذا اورنگ زیب نے حکومت اپنے قبضے میں کر لی، جس کی وجہ سے شاہ جہاں کی ناراضگی بڑھ گئی، اورنگ زیب نے مصلحتاً آگرہ کے قلعے میں شاہ جہاں کو نظر بند کر دیا اور شاہ جہاں نے وہیں وفات پائی۔

اورنگ زیب شاہ جہاں کا تیسرا بیٹا تھا، داراشکوہ اور شجاع دونوں عمر میں اس سے بڑے تھے، لیکن قابلیت اور کیریکٹر کی پختگی میں وہ ان سے کہیں بڑھا ہوا تھا، وہ محنتی، دور اندیش اور منتظمانہ نقطۂ نظر سے بڑا قابل تھا، شاہ جہاں جب اپنے بیٹوں پر نظر ڈالتا تو اسے عالمگیر کے عزم و حزم اور اس کی دماغی قابلیت کا قائل ہونا پڑتا تھا۔

اورنگ زیبؒ کے کارنامے:

اورنگ زیب عالمگیرؒ تخت نشین ہونے کے بعد بھنگ وغیرہ کی کاشت کرنے کی ممانعت کر دی، شراب نوشی ممنوع قرار دی، جوا بند کر دیا، بدکاری کے خلاف پوری کوشش کی، بازاری عورتوں کو حکم دیا کہ یا تو وہ شادی کر لیں یا ملک چھوڑ دیں۔۱۹۶۴ء میں ''ستی'' کی ممانعت کر دی، وغیرہ۔ پرہیزگاری اور سادگی کے ساتھ ساتھ بادشاہ کے درشن کو موقوف کیا، اور موسیقی کا ماہر ہونے کے باوجود گانے والوں اور گانے والیوں کو دربار سے ہٹا دیا، اس کی سالگرہ پر جو اسراف ہوتا تھا اسے ترک کر دیا، فضول خرچیوں کی وجہ سے جو ٹیکس رعیت پر پڑتا تھا ہلکا کر دیا۔ جہاں ایک طرف مسجدوں کو ہدایا اور زمینیں وقف کی جاگیریں عطا کی، وہیں دوسری طرف مندروں اور دیگر مذاہب کے معبدوں کے لیے بھی زمینیں دان کی، کئی ہندوؤں کو اپنی فوج میں بھرتی کیا، ان کو اعلیٰ عہدے اور مناصب عطا کیے، وغیرہ۔

---

* استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا

''فتاوی عالمگیری'' ایک عظیم کارنامہ:

من جملہ ان کارناموں کے ایک عظیم کارنامہ یہ ہے کہ...... عالموں کی قدر کرتا، ملکی انتظام شرعی اصولوں پر قائم کیا، اور عدل وانصاف کا محکمہ علماء کے ہاتھوں میں سپرد کیا، اس وقت اسلامی قوانین کے متعلق کوئی مستند اور جامع کتاب نہ تھی، اس نے تمام ملک کے قابل علماء کو جمع کرکے ''فتاوی ہندیہ'' المعروف بہ ''فتاوی عالمگیری'' کے نام سے حنفی فقہ کی ضخیم کتاب مرتب کروائی، جواب تک بڑی اہم اور مستند سمجھی جاتی ہے اور عرب وعجم کے کتب خانوں اور دارالافتاؤں کی زینت بنی ہوئی ہے، اسی کے متعلق غیر مسلم دانشور ''سرجادوناتھ'' کہتے ہیں: '' آج ہمارے پاس ہندوستان میں مسلمانوں کے قانون کا سب سے بڑا خلاصہ ''فتاویٰ عالمگیری'' ہے''۔

وصیت ووفات:

اورنگ زیب عالمگیر خود بڑی سادہ لوح زندگی بسر کرتا تھا، بیت المال کے پیسوں کو ہاتھ نہ لگاتا، اپنی روزی ٹوپیاں بنا کر اور قرآن شریف لکھ کر کماتا، مرتے وقت اس نے یہ وصیت کی تھی کہ چار روپے دو آنے جو میں نے ٹوپیاں بنا کر کمائے ہیں میرے کفن پر خرچ ہوں، اور تین سو پانچ روپے جو میں نے قرآن شریف لکھ کر کمائے ہیں مساکین میں تقسیم کئے جائیں، حسب وصیت ان کی تدفین نہایت سادہ ہوئی اور ان کی قبر پر کوئی عالی شان عمارت/قبہ بھی نہیں ہے۔ ۲۱ر فروری ۱۷۰۷ء کو بروز جمعہ ۹۰ر سال کی عمر میں بمقام احمد نگر وفات پائی، اورنگ آباد سے بارہ کوس کے فاصلہ پر روضہ خلد آباد میں مدفون ہوئے۔ (نور اللہ مرقدہ وبرد مضجعہ۔ آمین)

(مقتبس از جامع ومدلل تاریخ ہند، مؤلفہ مفتی محمد ڈینڈ رولوی)

ہندو مسلم تعصب کی راہ پر:

آزادی کے بعد ہندوؤں اور مسلموں کے مابین جو دوری اور بُعد پیدا ہوتا گیا، جو دراڑ ان کے درمیان قائم ہوئی، جو کہ انگریزوں کی کارستانیاں تھیں، اس زمانہ میں انگریز نے ایک چال یہ چلی تھی کہ کسی طرح ہندوؤں کے دلوں میں مسلمان اور مسلم بادشاہوں کے متعلق بدگمانیاں پیدا ہوجائیں، چناں چہ انہوں نے مسلم بادشاہوں کی تاریخ سے ایسے چیدہ چیدہ واقعات منتخب کیے، جن میں ظلم کا پہلو نظر آتا ہے، اور بہت سی باتیں اور واقعات تو ایسے ہیں کہ جن کتابوں کا حوالہ مصنف یا مؤلف نے دیا اس کتاب میں وہ بات اور واقعہ ہے ہی نہیں، مسلم بادشاہوں کے ظلم کی داستانیں سن سن کر ہندوؤں کے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی جائے، اور دل میں مسلمانوں سے انتقام کی آگ بھڑک جائے، اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس طرح لکھی گئی متعصبانہ ذہنیت کے مواد والی کتابوں کو اسکولی نصاب میں شامل کردیا، جنہیں دوسری وتیسری جماعت کے بچے پڑھتے ہیں، اور حقیقت سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے آگے چل کر مسلم

بادشاہوں کے خلاف اپنی زبانوں سے زہر اگلنے لگتے ہیں، ان کو ظالم سمجھنے لگتے ہیں، درحقیقت انگریز اور یوروپی ممالک چوں کہ دجال کے پیروں اور اس کے ہم نوا ہیں، اور دجال کانا ہے، ایک آنکھ سے دیکھتا ہے، اس کے پاس انصاف نہیں ہے، ایسے ہی انگریز اور کٹر ہندوتوا بھی ایک آنکھ سے کانے ہیں، انہیں انصاف نظر نہیں آتا ہے، انصاف ان کے لیے ایک زہر قاتل کی حیثیت رکھتا ہے، ایک نظر بھی انہیں نہیں بھاتا۔

لارڈ میکالے اس ہندوستان سے جاتے جاتے یہ کہہ گیا تھا کہ ہم ہندوستان چھوڑ کر تو جا رہے ہیں، لیکن اپنی تہذیب ہندوستان ہی میں چھوڑ جا رہے ہیں، الحاصل انگریزوں نے اس طرح کی متعصبانہ وغیر جانبدارانہ نظریہ کی حامل کتابیں ہسٹری میں شامل کی کہ جس کی بناء پر ایک اسکول پڑھنے والے طالب علم کا ذہن بچپن ہی سے مسلم بادشاہوں، مسلمانوں اور اسلامی حکومت کے بارے میں خراب ہو جاتا ہے، اور بہت سے مسلم طلباء بھی حقیقت سے عدم واقفیت کی بناء پر راہِ ہدایت سے بھٹک جاتے ہیں، اور مسلم بادشاہوں اور اسلامی حکومت کے خلاف زہر اگلنے لگ جاتے ہیں، اور پھر دن بدن اسلام اور مسلمانوں سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں، اس کی واضح مثال موجودہ دور میں نام نہاد مسلمان جنہیں مسلمان نام لیکر پکارنے میں بھی شرم محسوس ہوتی ہے، جیسے سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین اور ٹینس کھلاڑی ثانیہ مرزا وغیرہ جو آئے دن اسلامی شعائر کے خلاف اسٹیٹ مینٹ دیتے رہتے ہیں۔ اور اپنے اقوال اور تحریروں کے ذریعے اسلام کی پاکیزہ اور مقدس شبیہ کو بگاڑنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ (اللھم اہدہم)

انگریز اور ہندوتوادیوں اور خاص طور پر برہمنوں نے مسلم بادشاہوں کو تاریخ اور ہسٹری کے ذریعے بدنام کرنے کی بدترین کوشش کی، اور ملکی پیمانے پر شدھی تحریک چلائی، یعنی اس ملک کے سب لوگ اصلاً ہندو تھے، مسلمانوں ودیشی ہیں جنہوں نے باہر سے آکر ان کے ملک پر قبضہ کیا اور ہمارے آباء واجداد کو مسلمان بنا دیا، اس کی تازہ مثال ماضی قریب میں ضلع جلگاؤں خاندیش میں واقع ہوئی کہ وہاں کے غریب اور کس مپرسی کی زندگی گذارنے والے تڑوی برادری کو یہ کہہ کر مرتد بننے پر مجبور کیا گیا، کہ تمہارے آباء واجداد اصلاً ہندو تھے، مسلمانوں نے جبراً انہیں اسلام میں داخل کیا تھا، اس طرح کی اور بھی مثالیں آئے دن رونما ہوتی رہتی ہیں۔

اور ماضی کی بی جے پی حکومت نے تو ہندوستان کی سنہری تاریخ کو یکسر بدل ڈالنے کا عزم بھی کر لیا تھا، کیوں کہ انہیں پتہ تھا کہ ہندوؤں کو "ہندو" نام دلوانے کا کارنامہ بھی مسلمانوں ہی کا ہے، کہ پہلے نہ تو ہندو کسی طبقے کا نام تھا نہ کسی ملک کا، بلکہ جب مسلمان ایران سے ہندوستان آئے تو یہاں کے رہنے والے باشندوں کو انہوں نے "ہندو" کہنا شروع کیا، افسوس کہ ہندوتوادی اصل حقیقت سے یا تو ناآشنا ہیں یا پھر جان کر انجانے بنے ہوئے ہیں، اسی لیے نعرہ لگاتے ہیں کہ "ہندو، ہندی، ہندوستان، ملا (مسلمان) بھاگو پاکستان"۔

نیز مسلم حکمرانوں کے متعلق ہندو مسلم کے ذہنوں کو پراگندہ کیا جاتا ہے، کہ مسلمانوں نے اپنے دور بادشاہت میں

ہندؤں، مرہٹوں اور دیگر غیر مسلموں پر ظلم کیا، ان کے ساتھ ناانصافی کی، ان کے حقوق پامال کیے، ان کی بیویوں کو داشتائیں بنایا، ان کے بچوں کو غلام بنالیا، اور رعایا کو غلامی کی زنجیر میں جکڑ کر رکھدیا، اسی طرح مندروں کو منہدم و مسمار کیا، اور ان کی جگہ مساجد تعمیر کیں، اسی غلط ہتھکنڈے کو لیکر ہندوتوادی تنظیموں (آر ایس ایس، بجرنگ دل، شیوسینا وغیرہ) نے بابری مسجد کو شہید کر کے اس کی جگہ رام مندر تعمیر کرنے کی سازش رچی، جس سے ہر شخص واقف ہے۔

ان مسلم بادشاہوں میں خاص طور پر اورنگ زیب عالمگیرؒ (محمود غزنویؒ، افضل خان وغیرہ) کو کچھ زیادہ ہی بدنام کیا گیا، اور اسکولوں میں ایسے مواد کی کتابیں نصاب میں داخل کی گئیں، جن میں ان مقدس ہستیوں کے متعلق زہر افشانیاں کی گئی ہیں، یہ سب انگریزی اقتدار کے زیر سرپرستی وزیرنگرانی شرپسند عناصر کے ذریعے کیا گیا، تاکہ انگریزوں کے سیاسی فارمولہ ''ڈی وائڈ اینڈ رول'' (Devide & Rool) کے مطابق ہندو مسلم میں پھوٹ ڈالی جائے، اور انگریزی اقتدار و سہاسن مزید مضبوط اور مستحکم ہوجاوے، کیوں کہ جب تک تفریق نہ ڈالی جائے حکومت نہیں کیجا سکتی۔

اگر تاریخ کا انصاف کی آنکھ سے مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ جن مندروں کو منہدم و مسمار کیا گیا اس کی اصل وجہ کیا تھی، تاریخ میں لکھا ہے کہ اورنگ زیب مع اپنے وزراء و امراء اور اراکین سلطنت جس میں ہندو مسلم سبھی موجود تھے، جارہے تھے، کہ راستے میں ایک مندر آیا، ہندو راجاؤں کی بیویوں نے بادشاہ سے درخواست کی کہ ہم بھگوان کی پوجا اور درشن کے لیے جانا چاہتے ہیں، تو بادشاہ نے ان کو اجازت دیدی، چناں چہ وہ سب مہارانیاں مندر گئیں، پوجا پاٹ اور درشن کے بعد واپس ہوگئیں، لیکن ان میں سے ایک مہارانی غائب تھی، تلاش کرنے کے بعد بھی جب نہ ملی تو آخر کار بادشاہ نے اپنے سپاہیوں کو مندر کی تلاشی کے لیے بھیجا، تو اس وقت حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ بھگوان مورتی کے پیچھے ایک دروازہ نظر آیا، جہاں رانی بدتر حالت میں پڑی تھی، اس کی عصمت تار تار ہوچکی تھی، اس کی عزت وناموس پر مندر کے پجاری نے حملہ کردیا اور اس کی آبرو کے ساتھ کھلواڑ کردیا تھا، لہذا بادشاہ نے حکم دیا کہ جس مندر میں اس طرح کے گھناؤنے پاپ ہوتے ہیں اسے ڈھادیا جائے۔ اس تاریخی واقعہ سے پتہ چلا کہ اورنگ زیب کے مندر گرانے کا مقصد اور سبب کچھ اور ہے، اور لوگوں کے ذہنوں میں کچھ اور پیوستہ کیا گیا ہے، تصویر کا صحیح رخ دنیا والوں کے سامنے نہیں ہے۔

ابتداء اسلام (خلافت عمر فاروقؓ) ہی سے ہندوستان اسلام اور اس کی تہذیب وتمدن سے روشناس ہوچکا تھا، اور پھر حجاج بن یوسف کے زمانے میں محمد بن قاسمؒ نے سندھ پر حملہ کر کے اسے فتح کرلیا، پھر محمود غزنوی نے سومناتھ مندر پر حملہ کیا، جس کا پس منظر یہ ہے کہ مالدیپ میں ایک مسلمان عرب تاجر کا انتقال ہوگیا، تو مالدیپ کے بادشاہ نے اس کے خاندان والوں کو جن میں عورتیں بھی تھیں، ایک کشتی میں سوار کر کے روانہ کیا، لیکن راستے میں قزاقوں نے اس کشتی پر حملہ کر کے اسے اپنے قبضے میں لے لیا، محمود غزنوی نے اس علاقے کے بادشاہ کے کہلا بھیجا کہ مجرموں کے ساتھ

کارروائی کی جائے، اور انہیں سزا دی جائے، لیکن اس بادشاہ نے اس پر کان نہ دھرے، تو محمود غزنوی نے حملہ کردیا، اور سومناتھ مندر جس میں ہروقت ایک ہزار پجاری اور ان کی خدمت کے لیے دیوداسیاں رہتی تھیں، جہاں پر گھناؤنے کام بھی ہوتے تھے، اور محمود کے خلاف شازشیں رچی جاتی تھیں، لہذا ۱۵۴۱ھ میں محمود غزنوی نے سومناتھ مندر پر حملہ کرکے اسے مسمار کردیا، اور بت شکن کے لقب سے پہچانے گئے، ۔اور پھر یکے بعد دیگرے مسلمان ہندوسندھ پر حملے کرتے رہیں، اور آخرکار ہندوستان میں اسلامی سلطنت کی داغ بیل پڑ گئی۔

مسلمانوں کے ہندوستان آنے سے پہلے ہی یہاں پر برہمن (آریہ) اور بودھ مذاہب عروج وزوال اور شکست وریخت کے شکار ہوکر دم توڑ چکے تھے، اور پھر دوبارہ عروج کے لیے دونوں تہذیبیں آپس میں متصادم تھیں، جس میں برہمنی تہذیب تشدد پسند اور افراط کا شکار، تو بدھسٹ تہذیب سہولت پسند اور تفریط کا شکار تھی، اور برہمن چوں کہ قلیل تعداد میں تھے، لیکن چھتر راجاؤں پر انہوں نے اپنا دبدبہ اور رعب قائم کیا ہوا تھا، اور اپنے اس دبدبہ کو قائم وبرقرار رکھنے کے لیے ہی انہوں نے مسلمانوں کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی، لیکن جب ہندوستان پوری طرح اسلامی سلطنت کی شکل میں ابھر کر سامنے آیا تو پھر برہمنوں کو مسلمانوں کا وجود کانٹا بن کر آنکھوں میں چبھنے لگا، لہذا انہوں نے یہ تہیہ کرلیا کہ ہندوستان سے مسلمانوں کا کلی خاتمہ کرکے ہندوستان میں ''ہندوراج'' نافذ کیا جائے (گذشتہ چند سالوں میں مختلف جگہوں پر کیے گئے بم دھماکے ''ہندوراج''، یا ''ہندوراشٹر'' کے قیام ہی کی ایک کڑی ہے)۔اور اسی لیے برہمنوں نے انگریزوں کو بھی ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی تاکہ وہ اپنے ناپاک عزائم اور منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچائے، اور غیر ہندوؤں اور شودروں پر ان کا رعب ودبدبہ جو اسلامی سلطنت کے قیام کی وجہ سے ماند پڑ چکا تھا، برقرار رہے، شیواجی مرہٹہ جس کو برہمنوں نے شودر یعنی چھوت قرار دیا تھا، برہمنوں سے اپنے چھتری (برہمنوں کے بعد کا درجہ) ہونے کی سند لی، اور برہمن پروہت اور پنڈتوں کو بہت سارا مال ودولت اور سونا چاندی دیکر اپنی تاج پوشی کروائی۔(غالبًا اسی لیے اس کو ''چھترپتی شیواجی مہاراج'' کہا جاتا ہے)

☆　اسی شیواجی مرہٹہ نے راجہ جے سنگ کو خط لکھا کہ ''میری تلوار مسلمانوں کے خون کی پیاسی ہے، افسوس صد ہزار افسوس کہ یہ تلوار مجھے ایک اور مہم کے لیے میان سے نکالنی پڑی......الخ''۔

☆　''اپنی زندگی کو جوکھوں میں ڈال کر دشمن کے خون سے زمین کو سرخ کردیں گے'' (جس کی طرف ان کا بھگوا جھنڈا وغیرہ مشیر معلوم ہوتا ہے)۔اور اسی ہندوراج / ہندوراشٹر کے نفاذ کے لیے آر ایس ایس (RSS) راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کا قیام عمل میں آیا۔

☆　ایک ہندی اخبار ''سودھرم'' کا ایڈیٹر کانگریس رہنما تلک جی مہاراج کا چیلہ ۔۔ پرتاپ سنگھ......: ''اگر تم ایک گائے کی خاطر کراچی سے لیکر مکہ تک تمام مسلمانوں کو ختم کردو تو بھی تھوڑا ہے، ہندو دھرم میں جانوروں کا گوشت

کھانا منع ہے، لیکن مسلمانوں کا خون پینا جائز ہے، کسی ہندو کو اس کے پینے میں پس و پیش نہ کرنا چاہیے"۔

☆ آریہ تحریک کا جزء نمبر "۲" یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہندو بنایا جائے۔

☆ لالہ لجپت رائے: "سوامی دیانند پہلا شخص تھا جس نے ہندوؤں کو شدھی (تحریک) کی طرف راغب کیا۔

مسلمان فاتحین کا سلوک مفتوحین کے ساتھ کیسا رہا؟

مسلمان فاتحین کا سلوک مفتوحین کے ساتھ کیسا رہا......؟ اس کا ثبوت خود غیر مسلم، مشہور قلم کار "جگت رائے" اپنی کتاب "پدما نندی پنچ دی سیکا" میں اورنگ زیب کے متعلق لکھتے ہیں: "یہاں (ہندوستان) اورنگ زیب کی حکومت ہے جو کسی سے ڈرتا نہیں، اس کی حکومت میں مذہبی خیال کے لوگوں کو اپنے اپنے مطالعہ میں کسی قسم کا خوف نہیں، اس سے ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے مذہبی عقائد میں آزاد تھا"۔ (مذہبی رواداری: ۳/۱۷۷)

ڈاکٹر بنی پرشاد ہندوستانی مسلم بادشاہوں کے متعلق لکھتے ہیں: "ہندوستان میں کسی حکومت کے مقبول ہونے کے لیے ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ اس کے باشندوں کو مذہبی فرائض انجام دینے اور عبادت کرنے میں آزادی ہو، ہندوستان کے مسلم حملہ آوروں نے مذہبی رواداری کی اہمیت کو بہت جلد محسوس کر لیا تھا، اور اپنی حکمتِ عملی اسی کے مطابق بنائی"۔

پروفیسر بی این پانڈے نے ہندی اقوام کی کے درمیان ثقافتی اور جذباتی ہم آہنگی پیدا کرنے کی خاطر ایک موضوع کا انتخاب کیا، وہ یہ کہ "تاریخ کا نصاب کیا ہو؟" چناں چہ انہوں نے اس موضوع پر پارلیمنٹ میں ایک لمبی تقریر کی، جس کے کچھ حصے آپ کے سامنے پیش کیے جارہے ہیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

"بدقسمتی سے ہمارے اسکولوں اور کالجوں میں گذشتہ کئی نسلوں سے جو کتابیں پڑھائی جارہی ہیں، وہ وہی ہیں، جو یوروپی مصنفوں کی لکھی ہوئی ہیں، جو ہماری قومی زندگی کے سرچشمہ کو آلودہ کیے ہوئے ہیں، ان کتابوں میں ایسے اختلافات پر زور دیا گیا ہے کہ ہندو مسلمان کس طرح ایک دوسرے کے خلاف تشدد آمیز رویہ اختیار کیے ہوئے تھے، ان تاریخوں میں یہ بھی دکھایا گیا کہ مسلمان ہندوؤں کے کلچر اور روایات کو تہس نہس کرنے میں مشغول رہے، ان کے مندروں اور محلوں کا انہدام کیا، اور ان کے سامنے یہ خوفناک شرط پیش کرتے رہے کہ اسلام قبول کرو، ورنہ تلوار استعمال کی جائے گی، پھر یہ چیزیں زندگی کے اس زمانے میں پڑھائی جاتی ہیں جب ذہن پر کسی چیز کا گہرا اثر پڑ جاتا ہے، تو پھر اس کا دور ہونا مشکل ہوتا ہے، اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ہندو مسلمان ایک دوسرے کو شک وشبہ کی نظروں سے دیکھنے کے عادی ہوگئے اور ان میں باہمی عدم اعتمادی پیدا ہوگئی"۔ (مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری: ۳/۳۱۳)

یہ حقیقت ہے کہ ہر زمانہ میں سیاست کا ضروری جزو جنگ وجدل بھی رہا ہے، اور میدانِ جنگ یا جنگ کے زمانہ میں کیا کچھ نہیں ہوتا، بعض زیادتیوں کا سرزد ہونا کوئی بعید نہیں، انسان بہر حال غلطی کا پتلا ہے، اس سے بعض مظالم

کا واقع ہونا عجب نہیں، لیکن یہ کسی طور پر مناسب نہیں کہ کسی ملک کے یا کسی دور کی صرف خون ریزی اور ہولناکی کی داستان جمع کی جائے اور فریقین کے درمیان نفرت کا بیج بونے کے لیے حقائق سے قطع نظر بناوٹی اور دل آزار واقعات پیش کیے جائیں، یقیناً ہم کو تاریخ میں مسلم عہد کے ضرور ایسے مواد ملیں گے جن میں مہر و محبت کی داستانیں دلجوئی اور دلنوازی کی حکایتیں ہیں۔''محمد بن قاسم، محمد بن تغلق، زین العابدین، جہانگیر اور عالمگیر کی رواداری، قطب الدین ایبک کا امان دینا، سلطان محمود غزنوی اور بابر کا عدل، بلبن کا انصاف اور حق پرستی، شیر شاہ سوری کی امداد، دارا شکوہ کی ہندوؤں کے علوم وفنون سے دلچسپی، شاہجہاں کی ہندو شعراء کی حوصلہ افزائی، ٹیپو کے عہد میں اعلیٰ مناصب پر ہندو افسران، مندروں اور اس کے سوامیوں کا احترام اور مندروں کو نذرانے'' جیسے واقعات ملیں گے، جن کا موجودہ داخل نصاب کتابوں میں تذکرہ تک نہیں ہے۔ (مقتبس از اسلام اور دہشت گردی: ص ۷۰،۷۱)

برہمنوں کی سازش:

سوامی دھرم تیرتھ لکھتے ہیں:'' آغاز سے آج تک برہمنوں کا بنیادی مقصد ہمیشہ ہندو عوام اخلاقی اور فکری ترقی سے محروم رکھنا رہا ہے، اور ان کی کوشش رہی ہے کہ ہندو قوم ابتری، انتشار اور سچے مذہب سے لاعلمی کی حالت میں رہے، اور اسی حالت میں ختم ہو جائے، ساتھ ہی مذہبی توہمات اور پروہتی رسوم اور ہتھکنڈوں کے ذریعے برہمن انہیں بے وقوف بنا کر اپنا اُلو سیدھا کرتے ہیں، اور اپنا اقتدار و برتری قائم رکھیں۔

''اگر مسلمان یہ کہتے ہیں کہ نمایاں طور پر وہ ہندوؤں سے علیحدہ ایک منفرد قوم ہیں جن کی ایک منفرد ثقافت اور تہذیب وتمدن ہے تو یہ دعویٰ غلط نہیں ہے، اسلام اخوت، مساوات اور امت کی وحدت واتحاد کا علم بردار ہے، جب کہ ہندوازم اس کے بالکل برعکس ہے''۔

ہندو کبھی سدھر نہیں سکتے:

ایبے ڈوبس نے لکھا ہے:'' ہندو کبھی نہیں سدھر سکتے، ضرورت ہے کہ انہیں پہلے ایک بار پھر جنگلی اور وحشی بنا دیا جائے، ان کا ماضی بالکل مٹا دیا جائے، اور پھر انہیں ثقافت اور نئے تصورات دیئے جائیں جو ہندوانہ ہوں، اور عصری دنیا سے میل کھاتے ہوں، تب ہی ان میں تبدیلی آسکے گی، مگر پھر بھی اندیشہ باقی رہے گا کہ وہ اپنے توہمات کی تاریکی کی جانب واپس لوٹ جائیں، اور ایک بار پھر مکاری اور دھوکہ بازی کا فن اختیار کر لیں''۔

(ہندو سامراجیت کی تاریخ، مؤلفہ سوامی دھرم تیرتھ)

افکار و تاثرات: ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری، کراچی

"چند گھنٹے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں"

۱۵ راکتوبر ۲۰۱۰ء کی شام کو میں اکوڑہ خٹک پہنچا اور مخدوم و محترم زادہ مکرم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث اور مہتمم دارالعلوم حقانیہ سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ تقریباً 11 بجے تک مولانا مدظلہ العالی کی صحبت میں گزارنے، گفتگو سے لطف اندوز ہونے نوع بہ نوع معلومات سے دامن کو بھر لینے اور افکار عالیہ سے مستفید ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔

اگرچہ میرا ارادہ اگلے روز سہ پہر تک، ۱۴۔۱۵ گھنٹے حضرت مولانا کی صحبت میں گزارنے اور زیادہ سے زیادہ وقت حضرت کی صحبت میں گزارنے اور لطف و کرم سے فیض یاب ہونے اور دارالعلوم کو دیکھنے کا تھا، لیکن پروفیسر سید حنیف رسول کاکاخیل جو حضرت مولانا مدظلہ سے تقریب ملاقات کا موجب ہوئے تھے اور پروفیسر محمد جہانگیر صاحب راولپنڈی سے اسی شام خاکسار سے ملاقات کے شوق میں اکوڑہ خٹک پہنچے تھے، حضرت مولانا سے ملتجی ہوئے کہ آج کی رات اپنے مہمانِ عزیز سے ملاقات اور تمنائے صحبت و کلام سے لطف اندوز ہونے کے لئے اجازت بخشی جائے۔ مولانا مدظلہ کے اخلاق کریمانہ نے ان عزیزان گرامی کی دل شکنی گوارا نہ فرمائی اور چونکہ خاکسار کا منشا بھی یہی تھا۔ اس لئے صبح دس بجے تک کے لئے خاکسار کو ان کے ساتھ جانے کی اجازت مل گئی۔

۱۶ راکتوبر کو ٹھیک دس بجے خاکسار دوبارہ حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور گزشتہ نصب صدی (۱۹۶۰ء۔۲۰۱۰ء) سے جس آرزو کو دل میں چھپائے ہوئے بے چینی کے شب و روز گزارے تھے، اس کے قرب و نظارۂ جہاں کا وقت آ گیا تھا۔ چند لمحوں میں پردہ اٹھ جانے والا تھا، اس وقت کا پہلا پروگرام یہی تھا کہ دارالعلوم حقانیہ کے در و بست کا نظارہ اور بام و در کی سیر و دید سے بے چین قلب و روح کی تسکین کا سرو سامان کیا جائے۔

عزیز مکرم مولوی راشد الحق سمیع حقانی اپنے چند احباب کے ساتھ خاکسار کو لے کر دارالعلوم حقانیہ کی سیر کو روانہ ہوئے۔ سب سے پہلے دارالعلوم کے حدود میں تاریخی قبرستان لے گئے، جہاں حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ، محدث عصر و بانی دارالعلوم حقانیہ، خاندان کے چند بزرگ و خرد، بعض شہدائے کرام اور چند دیگر شخصیات آسودہ خواب ہیں، میرے لئے عبرت کا یہ بڑا مقام تھا، خاکسار نے یہاں تمام آسودہ خاک اہل قبور کے لئے دعائے مغفرت اور بلندی درجات کے لئے اللہ تعالیٰ سے ملتجی ہوا۔ جن کے بارے میں میرا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی تھا اور وہ

اعلیٰ علیین میں پہلے ہی اس کے قرب کا انعام پا چکے ہیں۔

اس سے آگے قدم بڑھائے تو دیکھا کہ ایک بلڈنگ میں چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ معلوم ہوا کہ دارالعلوم میں چھوٹے بچوں کے لئے ایک ابتدائی مدرسہ ہے، جو دارالعلوم کی عمارتوں کے بیچ میں ہونے کے باوجود سب سے الگ بھی ہے۔ ان کو اسی عمارت میں اساتذہ تعلیم دیتے ہیں۔ یہیں ان کی رہائش ہے، ان کے کھانے کا انتظام الگ ہے اور ایک نگران کی سرپرستی میں اپنے کام خود ہی انجام دیتے ہیں۔___ اس سے نکلے تو قریب ہی عریض و بسیط کتب خانہ قدیم وجدید علوم وفنون کی نادر ونایاب کتابوں سے مالا مال ہے۔ کتب خانے کے نگران اپنے معاونین کی مدد سے مصروف کار تھے۔ کتب خانے کے ذخیرے کا اور ان کی ترتیب ان کی نگہداشت کے بارے میں بہت سے سوالات کر کے اپنی معلومات میں اضافہ کیا۔ لیکن کتب خانہ چند منٹوں میں دیکھ کر نکل جانے کی جگہ نہیں ہوتی۔ دنیا سے بے نیاز ہو کر اور پاؤں توڑ کر بیٹھ جانے اور اسی میں زندگی گزار دینے کی جا ہوتی ہے۔ افسوس کہ استفادے کا کوئی موقع نہ تھا۔ آگے بڑھ جانا پڑا۔___ اس سے آگے انتظامیہ، افتاء، تصنیف وتالیف، مجلہ الحق درس وتدریس کے ابتدائی درجات سے لے کر دورہ حدیث اور تخصص کے درجات تک کا معائنہ کیا۔ درجات وشعبہ جات میں کارکنان مستعد اساتذہ گرامی کو ادائے فریض عالیہ میں مصروف اور طلبائے عزیز کو مقصد حصول تعلیم میں منہمک اور سرگرم پایا۔___ تمام شعبہ جات میں جا کر دیکھا، درسگاہوں میں جھانک کر دیکھا، اساتذہ کے درس کو کان لگا کر سنا، ہر فرد کو اپنے کام میں مصروف پایا۔ تدریس کے اوقات میں کسی طالب علم کو ادھر ادھر گھومتے پھرتے نہ دیکھا۔ زمین کو گندگی سے اور فضا کو شور شغب سے پاک ومبرا پایا۔ نظم وضبط کا حیران کن نظارہ، اساتذہ کو شفقت کا پیکر، تلامذہ کو اطاعت وتہذیب کا مرقع اور دیگر کارکنوں وخدمت گزاروں کو فرض شناس ومہذب، محبت واحترام کی فضا، دلکش ماحول، خوش گوار موسم، ایسا نہ کہیں دیکھا تھا، نہ سنا۔ طبیعت کو نہایت سرور اور دل کو نہایت خوشی حاصل ہوئی۔___ دارالعلوم حقانیہ تقریباً سو کنال کے رقبہ میں اپنے دامن میں ایک وسیع وعریض مسجد کو لئے ہوئے، گرد وپیش میں مختلف شعبوں کے الگ الگ دفاتر اور درسگاہوں کی دو منزلہ کئی شاندار عمارتوں پر مشتمل ہے۔ دوسری منزل پر اس کا وسیع وعریض دارالحدیث ہے۔ دورۂ حدیث میں امسال طلبہ کی تعداد تقریباً پندرہ سو ہے۔ یہ تعداد نہ صرف پاکستان اور ہندوستان میں بلکہ براعظم ایشیاء کے دینی مدارس میں سب سے زیادہ ہے اور نہایت قابل فخر ہے۔___ دارالحدیث کا ہال نہایت شان دار اور اتنا وسیع ہے کہ کسی علمی وتعلیمی اجلاس کے دو ڈھائی ہزار شرکاء کو اپنے دامن میں سمیٹ لینے کی گنجائش رکھتا ہے۔___ دارالعلوم حقانیہ ایک دینی مدرسہ ہے جو اپنے جامع نصاب، علوم وفنون، تدریس کے معیار، اساتذہ کی تعداد ومعیار، طریق تعلیم وتدریس کی خصوصیت، اساتذہ کے علمی معیار وقابلیت، طلبہ کی کثرت اور رجوع عام اپنی عمارت کی وسعت اور نظم وضبط اور دیگر خصوصیات کی بناء پر ایک عظیم الشان جامعہ (یونیورسٹی) کی حیثیت رکھتا ہے۔

دارالعلوم کالاحقہ ''حقانیہ'' اور وصف ''حقانی'' ہے اور اس کے طلبہ کو اس نسبت ''حقانی'' پر فخر ہے، جس نے اپنی ساٹھ سالہ زندگی میں درس وتربیت، تصنیف وتالیف، مجلاتی صحافت، قوم وملت اور اسلام کی خدمت کے میدانوں مین ایک تاریخ رقم کی ہے، اس کی خدمت کے کسی گوشے اور اس کی اہمیت کو نظر انداز کرکے پاکستان کی کوئی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی۔ اکوڑہ خٹک کا یہ دارالعلوم پاکستان کی تاریخ میں ایک ممتاز درسگاہ اور قوم کے لئے ایک بے مثال تربیت گاہ اور روشنی کا منارہ ہے۔____ گزشتہ ایک قرن میں مختلف اسباب وحالات کی بناء پر اس کی شہرت ایشیاء تا بہ حدود واقصائے یورپ تمام دنیا میں پھیل گئی ہے۔

یہ تمام کامیابی اور شہرت دارالعلوم حقانیہ کے محدث وقت و مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق دامت برکاتہم کے مساعی حسنہ اور ان کی توجہ سامی کا نتیجہ ہے۔ حضرت مولانا کے ان رفقائے عظیم ومخلص کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جو انتظامیہ ودرس وتدریس میں ان کے دست وبازو ہیں، ایسے مخلص، بلند ہمت اور اعلیٰ دماغ رفقائے کار کسی کو قسمت ہی سے میسر آتے ہیں۔ ایسے اعتماد وتعاون کے ماحول میں صرف کام انجام نہیں پاتے، کارنامے وجود میں آتے ہیں۔

تبصرہ صفحہ ۸۰ سے

(تبصرہ کتب)

کتاب: ۳۶۵ کہانیاں (حصہ اول) احباب بیت العلم ٹرسٹ پاکستان

ضخامت: ۱۷۰ صفحات قیمت: -/۱۲۰ روپے ناشر: بیت العلم ٹرسٹ گلشن اقبال کراچی۔

اچھے لوگوں کے حالات اور ان پر ہونے والے انعامات پڑھکر ہر سمجھدار شخص اچھا بننے کی کوشش کرے گا، اور برے لوگوں کے حالات اور ان پر پڑنے والے وبال اور عذاب پڑھ کر عقلمند آدمی تمام برے کاموں سے اپنا دامن بچائے گا، لہٰذا انبیاء کرام اور اللہ والوں کے قصوں اور واقعات کو بار بار پڑھنے سے دل میں نیک کام کرنے کا عزم پیدا ہوگا۔ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ حکایات (واقعات) اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے کہ ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ دلوں کو اطمینان اور ایمان پر ثابت قدمی دیتے ہیں۔____ اپنے بچوں اور پیارے نونہالوں کی تعلیم وتربیت کے بارے میں حضور ﷺ نے کتنی ترغیب دی ہے، چنانچہ ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ اپنے بیٹوں کو تیرنا سکھاؤ۔ دوسری جگہ فرمایا اپنے ماتحتوں کو سورۃ یوسف سکھاؤ، ایک اور جگہ اولاد کے بارے میں فرمایا جب وہ سات برس کے ہوں تو انہیں نماز سکھاؤ۔____ بیت العلم ٹرسٹ نے اس موضوع پر ذوق وشوق سیریز کے نام سے محنت کی اور بچوں کی تربیت کے لئے کہانیوں کی زبان میں پانچ حصے شائع کئے ہیں، ایسے ہی کہانیوں کے سلسلے کی ایک کڑی ۳۶۵ کہانیوں کی سیریز کا یہ پہلا حصہ ہے کہانیوں کی یہ سیریز سال کے دنوں کے حساب سے تیار کی گئی ہے۔____ زیر تبصرہ کتاب ایسی کتاب ہے جو کہ اللہ رسول سے محبت پیدا کرنے والی عبادات، اچھے اخلاق اور والدین کی فرمانبرداری کا درس دینے والی دلنشین اور دلچسپ کہانیوں پر مشتمل ہے، جس کا مطالعہ ایک ہی نشست میں کتاب ختم کا متقاضی ہے، ہر گھر میں اس کتاب کا موجود ہونا از حد ضروری ہے اور دوسرے ساتھیوں کو بھی اسی کو تحفہ میں دینے کے قابل ہے۔

(10)　　مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی

فضلائے حقانیہ کی تالیفی اور تصنیفی خدمات

مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی' فضلاء حقانیہ کے علمی' ادبی' تحریری' تصنیفی اور تالیفی خدمات پر کام کر رہے ہیں۔۔علم وادب' تحریر اور تصنیف و تالیف سے شغف رکھنے والے تمام فضلاء حقانیہ سے درخواست ہے کہ اپنا مختصر تعارف' خدمات اور تصنیفات و تالیفات کا تعارف مولانا موصوف کے نام بھیجیں تا کہ وہ اس عظیم تاریخی کام کو بہ سہولت آگے بڑھا سکیں۔

رابطہ ایڈریس : مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی' رکن القاسم اکیڈمی' جامعہ ابو ہریرہ خالق آباد نوشہرہ ------- (ادارہ)

مولانا عبدالبصیر حقانی

آپ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ / ۷ اکتوبر ۱۹۷۴ء میں جوباش خورد افغانیہ ولایت جوز جان افغانستان میں مولانا محمد عیسیٰ کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق ایک علمی گھرانے سے ہے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت والد محترم کے زیر سایہ حاصل کی۔ علم نحو' علم منطق کی ابتدائی کتابیں گاؤں میں مولانا محمد سے پڑھیں، پھر اپنے بھائی کے ساتھ تحصیلِ علم کے لئے زیارت بلوچستان گئے۔ وہاں مولانا نیاز محمد کے مدرسہ میں مولانا عبدالصمد اخوندزادہ الزابلی سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد چار باغ چکیسر سوات میں تشنگی علم بجھانے کے لئے گئے۔ دورۂ تفسیر شاہ منصور صوابی میں پڑھا۔ بالآخر مرکز علم و عرفان جامعہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے اور یہاں مشائخ و اساتذہ سے مستفید ہو کر ۱۴۲۰ھ میں سنِ فراغت حاصل کی۔ سلوک و تصوف کی منازل طے کرنے کے لئے حضرت مولانا پیر عبدالسلامؒ (المعروف پیر سباق پیر صاحب) کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور نقشبندی سلسلہ کے اذکار کرتے رہے۔

فراغت کے فوراً بعد درس و تدریس کے مبارک مشغلہ سے وابستہ ہوئے اور تادم تحریر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مولانا کو تمام فنون پر کافی دسترس حاصل ہے۔ طلباء کے لئے مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ درس و تدریس کے ساتھ اور فضلائے حقانیہ کی طرح قلم و قرطاس سے بھی رابطہ رکھے ہوئے ہیں۔ اب تک صرف عربی میں بیشتر کتابیں تصنیف فرما چکے ہیں۔ ان میں بعض کا مختصر تعارف درج ذیل ہے :

۱) **مفاتیح الجنان فی علوم القرآن (عربی)** : سلفاً و خلفاً علوم القرآن پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں ہیں۔ البرھان فی علوم القرآن للزرکشی، الاتقان فی علوم القرآن للسیوطیؒ' مناھل العرفان

للزرقانیؒ، التبیان للصابونی اور مولانا مفتی محمد زرولی خان کی مقدمہ تفسیر پر غیر مطبوعہ کتاب اسی فن کی بہترین کتابیں ہیں۔ مولانا عبدالبصیر حقانی نے بھی مفاتیح الجنان لکھ کر علوم القرآن کی کتابوں میں ایک اچھا اضافہ کیا ہے۔

۲) **ازھار دشت لیلی فی کشف اغراض تفسیر البیضاوی** : قاضی بیضاوی کی تفسیر وفاق المدارس کے نصاب کے مطابق درسِ نظامی کے درجہ موقوف علیہ میں ربع اولی پارہ اول پڑھائی جاتی ہے۔ تفسیر بیضاوی کی وقت کسی پر مخفی نہیں۔ مولانا عبدالبصیر حقانی نے علامہ بیضاوی کے اغراضِ تفسیر کو نہایت آسان، عام فہم عربی زبان میں پیش کیا ہے۔

۳) **انوار الحقانی' مقدمہ ازدھار دشتِ لیلی** : ازدھار دشتِ لیلی تفسیر بیضاوی کے اغراض پر مشتمل ہے۔ مولانا نے اس کے مقدمہ کو الگ کتابی صورت میں بھی شائع کی ہے۔

۴) **سیر الجبروت شرح مسلم الثبوت** : مسلم الثبوت کو درسِ نظامی میں بلند پایہ مقام حاصل ہے جو عام طور پر انہی مدارس میں درجہ تکمیل میں پڑھائی جاتی ہے جو وفاق المدارس کے طوقِ الحاق سے آزاد ہیں۔ وفاق المدارس نے فنون کی نہایت اہم کتابوں کو نصاب سے خارج کردیا ہے جسے پڑھ کر طالب علم کی استعداد بڑھتی تھی۔ بہرحال مسلم الثبوت کی شرح حقانی فاضل نے سیر الجبروت کے نام سے لکھی جو اسی کتاب کے پڑھانے والے اساتذہ اور پڑھنے والے طلباء کے لئے ایک بیش بہا تحفہ ہے۔

۵) **بصیرۃ الجوزجانی فی توضیح الباب الاخیر من الصحیح البخاری** : صحیح بخاری کو کتاب اللہ کے بعد کا درجہ حاصل ہے۔ امام بخاری کے تراجم الابواب عام طور پر مشکل ہوتے ہیں۔ شراح اکثر و بیشتر اسی پر بات کرتے ہیں۔ مولانا عبدالبصیر حقانی نے بھی صحیح بخاری کے آخری باب کی دلنشین توضیح وتشریح کی ہے۔ بخاری شریف کے اختتام پر اساتذۂ حدیث اسی آخری باب پر گھنٹوں تقاریر کرتے ہیں۔ مولانا حقانی نے اسی خاطر اس قدر جامع اور مفصل کتاب اسی ایک باب پر لکھی تاکہ علماء وطلباء کو ختم بخاری میں آسانی ہو۔

۶) **الحملۃ الفدائیۃ علی الکفرۃ الفجرۃ** : کفار ومشرکین' امریکہ اور اس کے اعوان وانصار جو مسلمانوں کو افغانستان' چیچنیا' عراق وغیرہ میں طرح طرح ستاتے ہیں۔ ان پر فدائی حملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی موضوع پر مولانا نے "الحملۃ الفدائیۃ" لکھی ہے۔ کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

۷) **تفسیر فتح البصیر فی معرفۃ معانی کلام ربنا السمیع البصیر**: قرآنِ کریم کی ترجمہ وتفسیر پر مشتمل ابھی تک شائع نہیں ہوئی البتہ دیگر تمام کتابیں شائع ہوئی ہیں اور بازار سے دستیاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس حقانی فاضل کو مزید ہمت وتوفیق عطا فرمادیں کہ اپنے مادرِ علمی جامعہ دارالعلوم حقانیہ اور اپنے مشائخ واساتذہ کے نام کو روشن کرے۔

مولانا محمد ظاہر شاہ حقانی

آپ حضرت امین الحق گستوئی مدظلہ کے ہاں ۱۹۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی دینی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی۔ درس نظامی کی کتب جامعہ حلیمیہ درہ پیزو' جامعہ عثمانیہ نوتھیہ صدر پشاور اور تکمیل و دورۂ حدیث بین الاقوامی آزاد یونیورسٹی جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے ۲۰۰۶ء میں کی۔

فراغت کے بعد اپنے والد گرامی کے ساتھ علمی مشاغل میں ہاتھ بٹھاتے رہے' حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ بانی و مہتمم جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ نے درس و تدریس کے لئے بلالیا اور دو سال تک یہیں رہے۔

آپ نے اپنے عظیم والد کی کتب کو مرتب کیا ہے۔ جس پر تبصرہ آپ کے والد گرامی کے حالات میں آچکا ہے۔ اب صرف ان کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ زاد الفقیر شرح اردو نحو میر: یہ آپ کے والد گرامی کی تالیف ہے اور آپ نے مرتب کی ہے۔

۲۔ الفتح المبین شرح مفید الطالبین اس کتاب میں بھی آپ نے والد گرامی کی معاونت کی ہے۔

۳۔ سوانح حضرت عبدالحق گستوئی: یہ آپ کے دادا جانؒ کی سوانح ہے۔ حضرت مولانا امین الحق گستوئی مدظلہ کے رشحات قلم ہیں اور ترتیب مولانا ظاہر شاہ حقانی کی ہے۔

۴۔ شرح مسلم الثبوت: مسلم الثبوت کی شرح پر کام جاری ہے۔ یہ مولانا حقانی کی اپنی ہی تالیف ہے۔

۵۔ تقریر ہدایۃ النحو: شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ مدنی دامت برکاتہم کی ہدایۃ النحو کی تقریر کو کیسٹوں سے نقل کیا ہے۔ عنقریب افادہ عام کے لئے منظر عام پر آئے گی۔

۶۔ شرح اصول الشاشی: آپ کے والد گرامی کے علمی و تحقیقی نکات پر مشتمل اصول الشاشی کی انوکھی اور البیلی شرح ہے' کمپوزنگ کے مراحل سے گزر رہی ہے۔ ترتیب مولانا ہی نے دی ہے۔

۷۔ فضائل درود شریف و استغفار: درود شریف اور استغفار کے فضائل اور صیغ پر مشتمل کتابچہ ہے۔ آپ ہی کا مرتب کردہ ہے۔ احقر راقم الحروف کو بھی خدمت کا موقع دیا تھا۔

۸۔ مسنون دعائیں: شب و روز کی مسنون دعاؤں کو جو حضرت مولانا امین الحق مدظلہ اور حضرت قاری ثناء الحق نقشبندی سجادہ نشین خانقاہ گستوئی کے معمولات میں شامل تھیں جن کو مولانا ظاہر شاہ صاحب نے مرتب کیا ہے۔ البتہ اس کتاب میں بھی احقر نے مولانا گستوئی کے حکم پر خدمت انجام دی۔

مولانا ظاہر شاہ حقانی ابھی جوانی میں ہیں' امید ہے کہ ساری زندگی اپنے اساتذہ اور مادر علمی جامعہ دارالعلوم حقانیہ کا نام روشن کریں گے۔

مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی
مدرس جامعہ دار العلوم حقانیہ

امن و صلح و آشتی کا وہ رہا دائم سفیر

شیخ الحدیث خطیب بے بدل حضرت مولانا نور محمد صاحب وزیرستانی کی شہادت پر رثائیہ اشعار

ایک عالم بے بدل تھے ایک فاضل بے نظیر
بالیقین وہ ایک علامہ رہے روشن ضمیر

ان کے علم و فن پہ نازاں تھا جہانِ آگہی
ان کی تقریر و خطابت کا تھا اک عالم اسیر

نیر تابانِ حکمت بس رہا ان کا وجود
خطہ دانا وزیرستان ان سے مستنیر

بزم یاراں مین رہا مثل بریشم نرم خو
دشمنانِ دینِ قیّم کے لئے سیفِ مبیر

ان کے انگ انگ سے عیاں علمی وقار و تمکنت
امن و صلح و آشتی کا وہ رہا دائم سفیر

پیکر صدق صفا و عکس اخلاص و تقیٰ
کاروانِ عزم وہمت کے دوانوں کا امیر

درس و تصنیفِ کتب محبوب ان کا مشغلہ
شوکتِ شاہی رہی بس ان کی نظروں میں حقیر

ماہِ رمضان میں ملی ان کو شہادت مرحبا
یہ سعادت اللہ اللہ نعمتِ ربِّ قدیر

عشرۂ غفران میں پیک اجل آیا اسے
طالع بیدار پر حیراں رہے برنا و پیر

نور افگن چہرہ انور تھا ، درخونین کفن
اس ضیاء پر رشک افشاں قسمت بدر منیر

ان کے مرگِ ناگہانی پر فضا ماتم کناں
غم ہے بس ہر تن پہ طاری اور ماتم ملک گیر

جنت الفردوس ان کا ہو مرے مولا مقام
گر قبول افتد دعائے فانیؔ بیدل فقیر

جناب شفیق الدین فاروقی

دارالعلوم کے شب و روز

حضرت مہتمم مدظلہ کی صحت:

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ مولانا سمیع الحق کی صحت کچھ دنوں سے خراب چل رہی تھی، ڈاکٹروں نے تشخیص و آرام کی غرض سے کچھ دنوں کے لئے ہسپتال میں داخل کیا، اطلاع پھیل گئی تو عیادت کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا اور ملک بھر میں مخلص احباب علماء وطلباء نے صحت کاملہ کا سلسلہ شروع کیا، اسی اثناء میں صحت کچھ بحال ہوئی تو اچانک سفر حج کا پروگرام بنا۔ ڈاکٹروں اور تیمارداروں کے اصرار سے منع کرنے کے باوجود مولانا مدظلہ نے حج کا سفر کیا اور الحمدللہ مناسک حج وزیارت بآسانی ادا ہوئے، اس وقت مولانا مدظلہ کی طبیعت روبہ صحت ہے، تاہم قارئین سے صحت کاملہ کے لئے دعاؤں کی اپیل ہے۔

مہتمم واساتذہ دارالعلوم کا سفر حج:

الحمدللہ حسب سابق اس سال بھی دارالعلوم حقانیہ سے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے والے اساتذہ کرام بخیر وعافیت وطن واپس پہنچ گئے ہیں۔ اوران حضرات نے دیار حرمین میں دارالعلوم حقانیہ اس کے مخلصین اور اس کے اساتذہ کے لئے خصوصی دعائیں مانگی۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب، مولانا راشد الحق، مولانا سید محمد یوسف شاہ، مولانا سید احمد شاہ، مولانا سعید الرحمٰن بن مولانا عبدالحلیم دیر بابا، مولانا عرفان الحق وغیرہ نے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ حضرت مولانا مدظلہ اوران کے اہل خانہ کو سعودی عرب کے فرمانروا شاہ عبداللہ حفظہ اللہ نے خصوصی شاہی مہمانوں (مراسم الملکیۃ، رائل پروٹوکول) کا درجہ دیا اور نہایت اعزاز واکرام اور سہولتوں سے نوازا۔ اس کے علاوہ رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع میں بھی دارالعلوم کے کئی اساتذہ اور بڑی تعداد میں طلباء نے شرکت کی۔

دارالعلوم کے مخلص ڈاکٹر شیر علی خان صاحب مکی کا سانحہ ارتحال:

ذی الحجہ ہی میں ممتاز معالج اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے دیرینہ عقیدت مند ڈاکٹر شیر علی خان صاحب مکہ مکرمہ میں داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ مرحوم کا حضرت شیخ الحدیثؒ اور اس کے خاندان سے والہانہ عقیدت وتعلق اُس زمانہ سے تھا جس وقت ڈاکٹر صاحب نشتر میڈیکل کالج ملتان میں طالب علم تھے، جب بھی اپنے گاؤں اسماعیلہ آنے جانے کا موقع ملتا، حضرتؒ سے ملنا اپنا اولین فرض سمجھتے۔ میڈیکل کالج سے

فراغت کے بعد لیڈی ریڈنگ ہسپتال میں پریکٹس شروع کر دی۔ کچھ عرصہ بعد لیبیا میں ملازمت اختیار کر کے کافی عرصہ لیبیا کے موجودہ صدر معمر قذافی کے معالج خصوصی کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اور لیبیا سے بھی حضرتؒ کے ساتھ خطوط کے ایک طویل سلسلہ کے ذریعہ عقیدت وتربیت کا سلسلہ جاری رکھا۔ لیبیا ہی سے حرمین شریفین کے شوق وجذبے کی وجہ سے مکہ مکرمہ منتقل ہوئے، اللہ نے ڈاکٹر صاحب کو دینداری، تقویٰ اور فہم وفراست سے نوازا۔ انہی خصوصیات کی وجہ سے مسجد حرام کے ائمہ کرام، مکہ مکرمہ کے علماء اور شیوخ کے ساتھ ڈاکٹر صاحب تعلقات اور روابط کی وجہ سے مختصر عرصہ میں سعودی عرب میں مستقل سکونت (نیشنلٹی) کا پروانہ بھی ملا اور مستشفی ام القریٰ کے نام ایک بڑا ہسپتال قائم کر دیا۔ ابتداً کرایہ کے مکان سے کی آج صحت کا وہ نجی شفاخانہ مکہ مکرمہ کے رصیفہ روڈ پر ایک بڑے ہسپتال کی صورت میں مریضوں کا مرجع ہے، ڈاکٹر صاحب کا تعلق تمام عمر علماء اور نیک لوگوں سے رہا۔ حج کے دنوں کے علاوہ معمول تھا کہ ہر رات تہجد کی نماز کے بعد روزانہ فرض نماز شروع ہونے سے پہلے عمرہ سے فارغ ہوتے۔ مرحوم خوش قسمت تھے کہ زندگی کے قیمتی لمحات حرم اقدس میں گزار کر اللہ کے محبوب بندوں کے قبرستان جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے۔ وفات کے وقت مولانا مدظلہ مکہ مکرمہ میں تھے اگرچہ اطلاع دوپہر کو ملی مگر اللہ تعالیٰ نے حرم شریف میں نماز فجر کے بعد جنازہ کا موقع ہم سب کو دے دیا۔ بعد میں جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے مکہ مکرمہ میں ان کے گھر جا کر ان کے اہل وعیال کے ساتھ تعزیت اور فاتحہ خوانی کی۔ رب العزت مرحوم کو درجات عالیہ سے نوازیں۔

حضرت مولانا لطف الرحمٰن صاحب جہانگیروی کی وفات:

مورخہ ۳۰ رنومبر بروز منگل جامعہ دار العلوم حقانیہ کے قدیم فارغ اور حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ، کے بڑے ماموں الحاج مولانا سیف الرحمٰن کے فرزند اکبر اور حضرت مولانا انوار الحق، نائب مہتمم جامعہ دار العلوم حقانیہ کے ماموں زاد اور سُسر حضرت مولانا حافظ لطف الرحمٰن اس دار فانی سے دار بقاء کی طرف چل بسے۔ مولانا مرحوم نے علوم دینیہ کے حصول کا ابتدائی زمانہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کی خدمت میں رہ کر دار العلوم دیوبند میں گزارا۔ تقسیم ہند کے بعد جب ہندوستان جانا مشکل ہوا تو علم حاصل کرنے کا سلسلہ جامعہ دار العلوم حقانیہ ہی میں مکمل کر کے حقانیہ کے ابتدائی اور معتقدمین فضلاء کے صف میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کی۔ قرآں کی تلاوت کرتے وقت اللہ نے ان کی آواز کو عجیب خوش الحانی سے نوازا تھا، جس سے ہر سننے والا محظوظ ہوئے بغیر نہ رہتا۔ تنہائی پسند تھے، دو چار قریبی دوستوں کے علاوہ حلقہ احباب انتہائی مختصر تھا، جنازہ میں علاقہ اور گردونواح کے ہزاروں افراد نے شرکت کی، نماز جنازہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق نے پڑھایا۔ پسماندگان میں چار بیٹے انجینئر زاہد الرحمٰن، نفیس الرحمٰن، محمد ریاض، عدنان، بیوہ اور چار بیٹیاں بقید حیات ہیں۔ جامعہ حقانیہ سے تعلق رکھنے والے جملہ خدام حضرت مولانا مرحوم کے

خاندان کے ساتھ شریک تعزیت اور مرحوم کی مغفرت کے لئے دعا گو ہیں۔

الحاج عنایت اللہ صاحب کا انتقال : موت وحیات کا سلسلہ روز ازل سے جاری اور تاحیات ہر اچھے برے کو اس مرحلہ سے گزرنا ہے مگر بعض شخصیات کی وفات کا صدمہ صرف اس کے اہل خانہ تک محدود نہیں ہوتے بلکہ اس کے خصائص کی وجہ سے دور کے احباب و متعلقین بھی اعزہ واقارب کی طرح پریشانی سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ ذی الحجہ عیدالاضحیٰ کے تیسرے روز جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک کی مجلس شوریٰ کے رکن اور معاون الحاج عنایت اللہ کا مدینہ طیبہ میں انتقال ہوا۔ مرحوم کا لاہور جیسے تجارتی شہر میں اچھا بھلا کاروبار، مکان و دیگر ضروریات کے سلسلے میں خود کفیل تھے۔ مگر ملکی ابتر صورتحال، دینی اعتبار سے بے راہ روی، ہر طرف لڑکوں لڑکیوں کے غیر شرعی لباس کو دیکھ کر ہر وقت یہ خواہش تھی کہ اللہ کوئی صورتحال پیدا فرمائے کہ کاروبار دیار حبیب ﷺ منتقل کر کے موت مدینہ منورہ میں آجائے۔ بار بار خواہش او رکوششوں کے نتیجہ میں اللہ نے یہ خواہش پوری کر دی۔ دوڈھائی سال قبل مدینہ طیبہ میں کاروبار کی ابتداء کر کے مستقل رہائش اپنے اہل وعیال سمیت اختیار کر لی۔ مرحوم حرمین کے عاشق، صوم صلوۃ کے پابند، نادار اور غریبوں کے مددگار، علماء وطلباء کے قدردان بے شمار خصوصیات کے حامل تھے، کئی سالوں سے لاہور سے سعودی عرب رمضان میں جا کر روضہ اطہر ﷺ کے قرب میں اعتکاف کا شرف حاصل کرتے، خوش قسمت تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ میں وفات کی نعمت سے مالا مال فرمایا۔ جہاں بھی رہائش پذیر رہے علماء صلحاء بزرگوں سے تعلق رہا۔ ان شاء اللہ یہی اعمال صالحہ اب ان کے لئے صدقات جاریہ بن کر رفع درجات کا ذریعہ بنیں گی۔ اولاد میں تین بیٹے محترم رفیع اللہ، نقیب اللہ برکت اللہ، بیوہ اور بچیاں بھی الحمدللہ اپنے بزرگ باپ کی تربیت یافتہ ہیں۔ اپنے والد کے اعمال اور نیکیوں کی جھلک ان میں موجود ہے، حقانیہ کے تمام منتظمین مرحوم کے پسماندگان کے ساتھ شریک تعزیت اور دعا گو ہیں کہ رب العزت حاجی عنایت اللہ کو جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام سے نوازیں۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے جوان دنوں مدینہ منورہ میں تھے، ایک وفد کے ساتھ مدینہ منورہ ان کے گھر جا کر حاجی صاحب مرحوم کے رفع درجات کیلئے دعوات کئے۔

مولانا حافظ شوکت علی صاحب کے بھائی کی رحلت: مولانا حافظ شوکت علی، استاد جامعہ حقانیہ کے بڑے بھائی مولانا فضل سبحان صاحب مورخہ ۳۱ رنومبر بشب منگل، اس دنیائے فانی سے انتقال کر گئے۔ مرحوم ضلع مردان علاقہ کاٹلنگ کے نواحی گاؤں ''میاں خان'' علاقے کے بہت بڑے عالم مولانا عبدالمنان مرحوم کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے اپنے گاؤں میں حاصل کی، مزید تعلیم کے لئے مختلف درسوں میں رہے۔ ساری زندگی گاؤں کے بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیتے رہے۔ اپنے بھائیوں اور بچوں کی تعلیم وتربیت کی اچھی طرح نگرانی کی، جس کی برکت سے اہل خانہ کے اکثر افراد حفاظ اور علماء بنے۔ مختصر علالت کے بعد دنیائے فانی کو خیر باد کہتے ہوئے دارفانی کی طرف انتقال کر گئے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

ادارہ

تعارف تبصرہ کتب

کتاب: رسائل اعظمی امیر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی نور اللہ مرقدہ

ضخامت: ۵۹۲صفحات قیمت:۔/۳۱۰ روپے ناشر: زمزم پبلشرز اردو بازار کراچی

برصغیر کو جن نابغہ روزگار اور عظیم ہستیوں پر ہمیشہ ناز رہے گا اور علمی دنیا جن کی عظمتوں کو سلام کرتی رہے گی، ان میں بجا طور پر ایک نام امیر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نور اللہ مرقدہ کا ہے، آپ حدیث اصول حدیث اور فقہ کے امام تھے، آپ نے تن تنہا ان علوم کی اتنی خدمت کی ہے، جس کے سامنے بڑے بڑے اداروں اور عظیم اکیڈیمیوں کے کام بھی ماند ہیں۔ حضرت اعظمی نے ہرفن سے متعلق کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، زیر نظر کتاب پانچ رسائل کا مجموعہ ہے، نصرۃ الحدیث۔ تحقیق اہل حدیث۔ رکعات تراویح۔ انساب وکفاءت کی شرعی حیثیت۔ الاعلام المبرفوعہ فی حکم الطلاقات المجموعہ یہ کتاب فتنہ غیر مقلدیت کے رد میں لکھی گئی ہے، حضرت اعظمیؒ کا امت پر عظیم احسان ہے کہ انہوں نے اس فتنہ کو روزِ روشن کی طرح کھول کر پیش کر دیا، اور قرآن وسنت سے دلائل پیش کر کے اس فتنہ کے باطل عقائد اور غلط مسائل کا رد فرمایا ہے اور ایسی تحقیق فرمائی ہے کہ حضرت اعظمیؒ کے شیخ وپیر طریقت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ نے ان رسائل کو دیکھ فرمایا، تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ شاید میں بھی اتنی تحقیق سے یہ کتاب نہیں لکھ سکتا تھا۔ اکابر کے ہاں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کا کیا مقام تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ نے جمعیت العلماء ہند کو پیش آنے والے مسائل کے حل کیلئے کہہ رکھا تھا کہ جمعیت کے ارکان فقہی مسائل میں مولانا اعظمیؒ کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔

یہ رسائل کتابی شکل میں مولانا محمد رفیق صاحب زمزمی زید مجدہ نے اپنے ذوق نفاست کے اہتمام سے زمزم پبلشر سے شائع کیے ہیں، اللہ تعالیٰ موصوف کی اس خدمت کو قبولیت سے نوازے اور علماء کرام اور باذوق عوام کو اس سے استفادے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

کتاب: شعب الایمان (ایمان کے شعبے اور ان کی تفصیل) مؤلف: حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب

ضخامت: ۳۰۲صفحات قیمت: ۳۰۰روپے ناشر: زمزم پبلشرز اردو بازار کراچی

انسان کی عظمت کی بات یہ ہے اور اس کا کمال اس میں پوشیدہ ہے کہ اس کا ایمان پختہ اور مضبوط ہو،

اور عقائد کے اعتبار سے صحیح العقیدہ ہو، ایمان جس قدر مضبوط ہو، اس قدر اس کی شاخیں مستحکم اور بلند ہوں گی ، ایمان کے ستر سے کچھ اوپر شعبے ہیں اور یہ سب کے سب ایک ہی شجر ایمانی کی شاخیں ہیں ، جس کو علماء کرام نے مختلف کتابوں میں جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے، چنانچہ زیر نظر کتاب شعب الایمان ،علامہ عینیؒ کی ایمان کے شعبوں سے متعلق مشہور کتاب کا خلاصہ ہے اور اس کی ترتیب پر ہے جس میں ایمان کے تمام شعبوں کی مختصر طور پر وضاحت اور تشریح کی گئی ہے اور ساتھ ساتھ ان باتوں کو جمع کیا گیا ہے کہ جو عوام الناس کے لئے نفع بخش اور فائدہ مند ہوں گی ۔اس کتاب کی تالیف کی غرض اور ضرورت اس لئے محسوس کی گئی کہ جس دور سے ہم گزار رہے ہیں اور جس زمانہ میں ہم زندگی گزار رہے ہیں، اس میں اکثریت ان ایمانی شعبوں سے بے خبر اور غافل ہے اسی کے پیش نظر اس کتاب میں عقائد ایمانی کے ساتھ ایمان کے دیگر شعبوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے تا کہ برادران اسلام اپنے بے عملی کے سبب ان امور ایمانی سے جن کے بغیر ایمان کامل و مکمل نہیں ہوسکتا۔ انحراف نہ کرنے لگیں۔

زمزم پبلشرز نے دیدہ زیب طباعت اور خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ اس کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے، اس کتاب کا مطالعہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے اور یہ کتاب اس لائق ہے کہ اس کو ہر لائبریری کی زینت بنائی جائے۔

کتاب: قربانی شریعت کے تناظر میں مؤلف: مولانا تسبیح اللہ شہزاد (فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم حقانیہ)
ناشر: مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

قربانی کا تاریخی پس منظر اگر چہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے شروع ہے مگر بقرعید کے دن جو قربانی مسلمانان عالم کرتے چلے آرہے ہیں، سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس عظیم کارنامے کی یادگار ہے جو آپ علیہ السلام حکم خداوندی کی تکمیل کے لئے 10 ذی الحجہ منیٰ کے میدان میں کیا تھا، مولانا تسبیح اللہ شہزاد صاحب جو ایک نوجوان ، جید عالم دین ہیں، اپنی زیر کاوش میں اسی یادگار کارنامے کو اجاگر کیا ہے، آپ نے اس کتاب کو تین ابواب اور ہر باب میں مختلف حصوں پر تقسیم کر کے مرتب کیا ہے، جس میں انہوں نے قربانی کی تعریف ،قربانی کے ارتقائی مراحل، قربانی کا فلسفہ اور اس کی حقیقت ،قربانی کے فضائل واحکام کے علاوہ بقرعید کے فضائل واحکام ، نماز عیدین کے احکام اور دیگر اہم عنوانات کو سامنے رکھ کر ان پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

یہ کتاب سلیس اور عام فہم اردو زبان میں مرتب ہے جو ہر خاص و عام کے لئے یکساں مفید ہے، اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی اس کاوش کو قبول فرما کر دارین کی سعادت کا ذریعہ بنائیں۔آمین۔ (مزید تبصرہ کیلئے صفحہ ۱۷)

روح افزا اور کیا چاہیے!
SHARBAT
ROOH AFZA
REGD.
ہمدرد
Blitz DDB

مطبوعات مؤتمر المصنفین جامعہ حقانیہ

نمبر شمار	نام کتاب	تصنیف	افادات	صفحات
۱	حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذیؒ	حضرت مولانا سمیع الحق	شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ	۵۳۶
۲۔	دعواتِ حق ۔(مکمل دو جلد)	" " "	" " " " "	۱۱۹۲
۳۔	قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ	" " "	" " " " "	۴۰۰
۴۔	عبادات و عبدیت	" " "	" " " " "	۸۸
۵۔	مسئلہ خلافت و شہادت	" " "	" " " " "	۱۰۴
۶۔	صحبتے با اہل حق (مجلد)	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۴۰۸
۷۔	اسلام اور عصر حاضر (مجلد)	حضرت مولانا سمیع الحق	حضرت مولانا سمیع الحق	۴۶۰
۸۔	قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق	" " "	" " " " "	۹۶
۹۔	کاروان آخرت (مجلد)	" " "	" " " " "	۴۴۶
۱۰	شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ خصوصی نمبر	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۱۲۰۰
۱۱۔	قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف	حضرت مولانا سمیع الحق	" " " " "	۲۰۸
۱۲	قادیان سے اسرائیل تک	" " "	" " " " "	۲۲۴
۱۳۔	قومی اور ملی مسائل پر جمعیت کا موقف	" " "	" " " " "	-
۱۴۔	میری علمی اور مطالعاتی زندگی (مجلد)	" " "	" " " " "	۵۶۰
۱۵۔	روسی الحاد	" " "	" " " " "	۲۲۰
۱۶۔	فتاوی حقانیہ	مولانا مفتی مختار اللہ	حضرت شیخ الحدیث و مفتیان حقانیہ	۳۶۰۰
۱۷۔	خطبات حق	" " "	حضرت مولانا سمیع الحق	۴۵۰
۱۸	نظام اکل و شرب	" " "	" " " " "	۴۵۰
۱۹۔	صلیبی دہشت گردی اور عالم اسلام	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۵۰۰
۲۰۔	زین المحافل (شرح شمائل ترمذی) جلد دو	مولانا اصلاح الدین	" " " " "	۱۰۵۵
۲۱	مروجہ کرنسی کیلئے معیار نصاب سونا یا چاندی	مولانا مفتی مختار اللہ	مولانا مفتی مختار اللہ	۱۰۰
۲۲	انوارِ حق (جلد اول)	حافظ سلمان الحق حقانی	حضرت مولانا انوار الحق حقانی	۲۶۰

مؤتمر المصنفین ○ جامعہ دارالعلوم حقانیہ ○ اکوڑہ خٹک